اسلام

میں نے کیوں قبول کیا

امریکی صدر ... خاتون

ذاتی مشاہدات، آنکھوں دیکھے حالات، تہلکہ خیز انکشافات

متعصب عیسائیوں اور صیہونی یہودیوں کے خفیہ منصوبے ایک عینی گواہ کے قلم سے

عالمِ اسلام پر امریکی یلغار کیوں؟

مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے

ایک عیسائی مصنفہ کے قلم سے متعدد متعصب عیسائی اور یہودی شخصیات سے ملاقات اور اسرائیل کا دو مرتبہ دورہ کرنے کے بعد لکھی گئی چشم کشا تصنیف

مصنفہ: گریس ہال سیل (امریکی صدر کی تقریر نویس)

تقدیم

فلسطین کا ایک عاشق

الاقصیٰ ناشر

کتاب .... عالم اسلام پر امریکی یلغار

تصنیف .... گریس ہال سیل

تقدیم .... فلسطین کا ایک عاشق

طبع اول ۱۴۲۸ھ/2007ء

طبع دوم ۱۴۲۹ھ/2008ء

ناشر .... الاقصیٰ پبلشر

نٹ قیمت .... 75 روپیہ

ترجمہ ...... جناب ذکی الدین شرفی صاحب

تقسیم کنندہ: ادارۃ الانور

0300-2573575،021-4914596,4919673

اسٹاکسٹ: مکتبۃ العصر، کراچی

0322-2111134

فہرست مضامین

امریکا اور برطانیہ کی متعصب ترین عیسائی قیادت کیا کر رہی ہے؟

خدا کے لیے جاگیے!

صدر امریکا بش دہشت گردی کے خلاف مہم کی آڑ میں خود اپنی متعصب ذہنیت کو چھپا رہے ہیں۔ [illegible] اور امریکا کی عالم اسلام کے خلاف یہ مہم تاریخ عالم کی خوفناک ترین جدید صلیبی صہیونی جنگ عظیم ہے لیکن صد افسوس کسی مسلمان [illegible] یا صحافی اور عالم دین کو توفیق نہیں ملی [illegible] سے اس خوفناک ترین منصوبہ کا جائزہ لیں۔

صدر بش [illegible] ایک عیسائی خاتون Grace Halsell جب [illegible] ہوا کہ شدید متعصب عیسائی بنیاد پرست Dispensationalism [illegible] کے لیے کتنا بڑا خطرہ بن گئے ہیں تو [illegible] نے اپنی جہاندیدہ نظر، [illegible] اور [illegible] انداز نگارش استعمال کرتے ہوئے یہ [illegible] اپنی کتاب Forcing God's Hand کے عنوان سے لکھا ہے۔

اس کا اردو ترجمہ [illegible] ذمہ داری کی تکمیل اور بیداری [illegible] بالخصوص [illegible] پالیسی ساز اداروں، [illegible] اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں، صحافیوں، تحریکات اسلامی [illegible] کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

اب بات [illegible] لیے جاگیے! آنکھیں کھول کر [illegible] [illegible]

کچھ مصنف اور کتاب کے بارے میں

گریس ہال سیل (Grace Halsell) مشہور امریکی مصنفہ ہے۔ اس کا نام امریکا کی مشہور کتاب Who is Who میں درج ہے۔ یہ امریکا کی ریاست ٹیکساس میں پیدا ہوئی۔ اس نے ٹیکساس کی دو یونیورسٹیوں کے علاوہ نیویارک میں کولمبیا یونیورسٹی سے بھی تعلیم حاصل کی اور اپنی عملی زندگی کا آغاز اخبارات کے لیے رپورٹیں لکھنے سے کیا۔ اس سلسلے میں اس نے یورپ، جنوبی امریکا، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کی سیاحت کی، یورپ کا سفر ایک بائیسکل پر کیا اور اپنی سیاحت کے دوران روس، چین، کوریا، ویت نام، بوسنیا اور کوسوو بھی گئیں۔ متعدد مشہور امریکی اخبارات کے علاوہ اس نے جاپان ٹائمز، ہانگ کانگ ٹائیگر اسٹینڈرڈ، عرب نیوز اور پیرو کے دارالحکومت سیما اخبار "لاپرنسا" کے لیے بھی کالم نگاری کی۔ 1960ء کی دہائی میں جب مشرقِ وسطیٰ میں مصر، اسرائیل اور دیگر عرب ممالک میں لڑائی ہوئی، یہ خاتون امریکا کے ایوان صدر وہائٹ ہاؤس میں اسٹاف رائٹر تھی اور صدارتی تحریریں لکھنے پر مامور تھی۔ صدر جانسن جن دنوں امریکا کے صدر تھے، گریس ہال سیل اس زمانے میں تین سال تک ان کی تقریریں لکھنے پر مامور تھیں۔ اس خاتون کے زورِ قلم کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا طاقت ور ترین شخص سمجھا جانے والا انسان جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ تولا اور ناپا جاتا تھا، اس کے لکھے ہوئے الفاظ بولتا تھا۔

اب اس سے پہلے کہ اس خاتون کے یہاں تذکرے کا مقصد بیان ہو، اس کی صحافتی زندگی کا مزید تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کی جس تحریری کاوش کا یہاں تذکرہ ہونے والا ہے اس کی تحقیقی حیثیت اور مغربی دنیا میں اہمیت و وقعت کا اندازہ ہو سکے اور یہ بات بھی سامنے آ سکے کہ وہائٹ ہاؤس اور صدر امریکا تک اس کی رسائی سفارش یا تعلقات کا نتیجہ نہ تھی، اس نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے سبب یہ عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس خاتون نے قلم کی دنیا کو چند انوکھی نگارشات سے نوازا جن کے پیچھے اس کی منفرد سوچ اور انوکھا طریق کارکار فرما تھا۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جس موضوع پر لکھنا چاہتیں اس ماحول کے ایک فرد کا روپ دھار کر انہی لوگوں میں

گھل مل جاتیں۔ ان کے احساسات و جذبات اپنے اوپر طاری کر لیتیں۔ ان جیسا بن کر سوچتیں اور پھر دنیا کو ان کی حقیقی زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ان کی کتابیں امریکا کی بہت زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں میں شمار کی گئیں اور وہ مقبول مصنفین کی فہرست میں شامل ہو گئیں۔ مثلاً امریکا میں سیاہ فام آبادی اور اس کے پیدا کردہ مسائل دلچسپ موضوع ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری رنگت کو سیاہ کر کے سیاہ فام آبادی میں جا کر رہنا شروع کیا۔ مس سی پی اور ہارلم کی سیاہ فام آبادیوں میں ایک سیاہ فام عورت کے طور پر کافی عرصہ گزارا اور اس تجربے کی سرگزشت اپنی کتاب "Soul Sister" میں قلمبند کی جو چھپتے ہی ہزاروں کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی۔ امریکا کا ایک اور مسئلہ وہ باشندے ہیں جو سرکاری راہداری کے بغیر امریکا اور میکسیکو کے درمیان سرحد پار کر کے آتے جاتے رہتے ہیں۔ گریس ہال سیل نے روپ بھرا اور جنوبی امریکا کے غریب ممالک سے ریاست ہائے متحدہ امریکا آنے کے خواہش مند لوگوں میں جا شامل ہوئیں۔ ان کے ان تجربات پر مبنی کتاب The Hlegals جب شائع ہوئی تو اس نے مقبولیت کے ریکارڈ قائم کر دیے۔ ان کی ایک اور تصنیف Bessie Yellow Hair ان کی زندگی کے اس خود اختیاری دور کی کہانی ہے جو انہوں نے امریکی ریاست ایریزونا کے مقام ناوجو (Navago) میں گزارا۔ ان کی یادداشتیں بھی بڑی مقبول ہوئیں جن کا نام انہوں نے Their Shoes رکھا تھا۔ اپنی شاہکار اور منفرد انداز کی تصانیف کی بدولت وہ ٹیکساس کرسچین یونیورسٹی میں صحافت کے گرین آنرز کی چیئر پرسن نامزد کی گئیں۔ پنسلوانیا یونیورسٹی نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں زندگی بھر اعلیٰ کارکردگی کا انعام Lifetime Achievement Award پیش کیا۔

آج کے کالم میں اس خاتون کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ اس عیسائی خاتون نے وہ کام کیا جو اصل میں کسی مسلمان صحافی یا اسکالر کو کرنا چاہیے تھا۔ اس خاتون کو وہائٹ ہاؤس میں کئی سال امریکی حکمرانوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کو جب احساس ہوا کہ شدید متعصب عیسائی بنیاد پرست (Dispensationalism) یہودیوں کے ہاتھوں میں کھیل کر

عالمی امن کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے ہیں تو اس نے ان متعصب عیسائیوں کے گروہ کے ساتھ فلسطین (جسے دنیا اب اسرائیل کہتی، لکھتی اور بتاتی ہے) کا سفر کیا۔ عیسائیوں کے ساتھ مل کر یہودی بستیوں کے سفرا اور متعصب یہودیوں کے منصوبوں اور اہداف کو قریب سے دیکھ کر اس نے دنیا کو حقائق سے آگاہ کرنے کے لیے وہ معرکتہ الآرا کتاب لکھی جو آج کے کالم کا موضوع ہے۔ اس عیسائی خاتون نے اس کتاب کی شکل میں دنیا کو وہ معلومات دیں جو درحقیقت کسی مسلمان تحقیق کار کی جانب سے سامنے آنی چاہیے تھیں۔ اس کتاب کا ایک امریکی عیسائی خاتون مصنف کے قلم سے وجود میں آنا جہاں اہلِ اسلام کی سستی اور اجتماعی مقاصد سے غفلت کی واضح علامت اور ہم سب کے لیے باعثِ ندامت ہے وہیں یہ مغربی دنیا کے لیے ایک غیر جانبدار تحقیق کار کی طرف سے تنبیہ ہے کہ وہ آنکھیں کھولے، ہوش سے کام لے اور یہود کے ہاتھوں کھلونا بن کر ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل میں دنیا کو دہکتا تنور نہ بنائے ورنہ اس آگ کی لپیٹیں خود اسے خاکستر کر ڈالیں گی۔

اس خاتون نے روشن خیال سمجھے جانے والے امریکی صدر...... جن کے ساتھ اسے کام کا موقع ملا...... کے متعصبانہ مذہبی نظریوں کے متعلق جو انکشافات کیے ہیں وہ ہمارے روشن خیال حضرات کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ جب مصر اسرائیل کی جنگ ہوئی تو میں ارضِ مقدس (Holy Land) کے بارے میں قدیم مسیحی صحیفوں کی کہانیوں سے آگے کچھ نہیں جانتی تھی۔ جن دنوں جمی کارٹر اور رونالڈ ریگن صدر تھے ان سے "آخری جنگِ عظیم" ہرمجدون (آرمیگاڈون) اور حیاتِ نو (Born Again) کی باتیں بہت سننے میں آتی رہتی تھیں۔ ان میں زیادہ زور فضائی نجات نامی عقیدے The Reputer پر ہوتا تھا۔ اس عقیدے کے مطابق عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی پر فضا میں ان کا استقبال کریں گے۔ ہرمجدون (Armageddon) وہ عظیم جنگ ہوگی جو عیسائی عقیدے کے مطابق ریاست اسرائیل کے علاقے میں خیر اور شر کے درمیان ہوگی۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا عقیدہ "آرمیگاڈون تھیالوجی" ہے۔ اس عقیدے کے مبلغ اور اس پر کاربند

مقبولِ عام پادری نہ صرف بڑے بڑے ہجوموں کو متاثر کرتے ہیں بلکہ بڑی دولت بھی کماتے ہیں۔ صدر ریگن جیسے شخص نے ایک عیسائی پادری جم بیکر سے 1981ء میں بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا: "اس میں کوئی شک نہیں کہ یروشلم سے دو سو میل تک اتنا خون بہے گا کہ وہ زمین سے گھوڑوں کی باٹ کے برابر ہوگا۔ یہ ساری وادی جنگی سامان، انسانوں اور جانوروں کے زندہ جسموں اور خون سے بھر جائے گی۔" دنیا کو معلوم نہیں کہ امریکا میں آٹھ برس تک ایسا شخص منصب صدارت پر فائز رہا ہے جسے یقین تھا کہ وہ وقت یک خاتمے (End of Time) پر قربِ قیامت کے دنوں میں زندہ ہے اور یہ آس لگائے بیٹھا ہے کہ یہ واقعہ اس کے انتظامی زمانے میں پیش آئے گا۔ اس کا کہنا تھا: ہم وہ لوگ ہیں جنہیں "زمانہ آخر" کا سامنا کرنا ہے اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جو اس لمحے میں جبکہ پوری انسانی تاریخ کی تباہی لکھی گئی ہے، زندہ ہیں۔" صدر رونالڈ ریگن آخری عمر میں عبرتناک بیماری کا شکار ہو کر جس میں ان کے جسم نے ان کے دماغ کا حکم قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انہیں زمینی نجات تو نہ ملی البتہ وہ فضائی نجات (Repture) کے استحقاق کے بہت زیادہ اُمیدوار تھے اور ایک ان پر کیا موقوف رچرڈ نکسن، جمی کارٹر، جارج بش سینئر اور جونیئر یہ سارے روشن خیال امریکی صدر یہ سمجھتے تھے اور ہیں کہ 1948ء میں اسرائیل کا قیام بائبل کی ایک پیش گوئی کی تکمیل تھی اور یہ اس امر کا محکم ثبوت ہے کہ ہم سب نہایت تیزی کے ساتھ ان آخری واقعات تک پہنچنے والے ہیں جس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظہور کریں گے۔ پھر سلطنت روما (یعنی یورپ) کی تجدید نو کے بعد ان فوجوں پر حملہ کریں گے جو آرمیگاڈون کی وادی میں اکٹھی ہوں گی۔ اس حوالے سے ہمارا کام اور مقصد ایک ہی ہے یعنی خدا کے ہاتھوں کو سہولت فراہم کرنا (Forcing God's Hands) تاکہ وہ انہیں اُٹھا کر جنت میں پہنچا دیں جہاں کوئی مصیبت نہیں ہوگی اور جہان سے وہ آرمیگاڈون یعنی خیر و شر کے آخری معرکے اور کرۂ ارض کی تباہی کا منظر دیکھیں گے۔

گریس ہال سیل نے اپنی کتاب کا نام ہی Forcing God's Hands رکھا ہے۔ مذکورہ بالا پس منظر سے قارئین اس کی معنویت اور عالمی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مصنفہ نے دو

مرتبہ فلسطین کا سفر کیا ہے۔ پہلی مرتبہ جب 1980ء میں وہ ارضِ مقدسہ گئیں تو ان کی سیاحت اور تحقیق کے نتیجے میں "پیش گوئی اور سیاست" (Prophecy and Politics) نامی کتاب وجود میں آئی۔ دو عشروں کے بعد وہ مشہور متعصب عیسائی مبلغ جیری فال ویل کی سربراہی میں ارضِ مقدس جانے والے ایک وفد میں شریک ہوگئیں اور جب وہاں متعصب عیسائیوں اور جنونی یہودیوں کے گٹھ جوڑ سے مسجد اقصیٰ مسمار کرنے، اس کی جگہ تیسرے ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور جانوروں کی قربانی کی تجدید جیسے منصوبے پروان چڑھتے دیکھے تو واپس آ کر یہ معرکۃ الآرا کتاب لکھی جو ان کے گہرے تجزیے، منفرد اسلوب، اعلیٰ معیار کی تحقیق اور واضح اندازِ نگارش کے سبب بے پناہ مقبول ہوئی۔ متعدد مزاج عیسائی دانش وروں اور مشاہیر اہلِ علم نے ان کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ ایک عیسائی مفکر ڈاکٹر رابرٹ رینالڈز نے کہا:

"گریس ہال سیل کی اس شاندار کتاب کا مطالعہ ان تمام لوگوں کے لیے لازمی ہے جو تشویش انگیز فرقہ ورانہ ذہنیت کو اور (Religious Right) کے بین الاقوامی مقاصد کو بہتر طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر اینڈریو کلر نے واشنگٹن رپورٹ فار مڈل ایسٹ افیئر میں کہا: "جنونی عیسائی نجات (Rapture) اور آخری جنگِ عظیم (Armageddom) کو تحریک دے کر قریب لانا چاہتے ہیں اور یروشلم کی انتہائی مقدس اسلامی عبادت گاہ (مسجد اقصیٰ) کو مسمار کیے جانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہال سیل نے اس نہایت احمقانہ "مسیحی کلیے" کا پول کھول دیا ہے۔"

ایک اور مشہور عیسائی مفکر جم جونز کو کہنا پڑا:

"ہال سیل نے ہمیں بتایا کہ "ایک نئی جنت اور نئی سرزمین میں داخل ہونے کا بہتر راستہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے انقلابی فلسفے پر زور دیا جائے جیسے: "اپنے ہمسائے سے محبت کرو۔"

یہاں بندہ پھر افسوس کے ساتھ خود کو یہ کہنے پر مجبور پاتا ہے کہ اسلامی دنیا میں سے کسی قابلِ ذکر شخصیت کو مصنفہ کی خدمات کا اعتراف کرنے کی توفیق نہ ہوئی جو امن پسند عیسائی و یہودیوں سے زیادہ درحقیقت اہلِ اسلام کے لیے انجام دی گئی تھیں۔ ہماری بنسبت اعتدال پسند

عیسائیوں اور یہودیوں نے مصنفہ کے اس کارنامے کی اہمیت کو درست طور پر جانا اور اعتراف کیا ہے۔ امریکن کونسل فار گارڈ ازم کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ایلین براؤن فیلڈ کہتے ہیں: "یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بیداری کا پیغام ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں امن اور انصاف چاہتے ہیں اور جو اپنے عقیدے کے اعلیٰ ترین مقاصد کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں، خواہ وہ عیسائی ہوں، مسلمان ہوں یا یہودی ہوں۔"

بندہ کی دلی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے صلے میں انہیں موت سے قبل ایوان ریڈلی کی طرح اسلام کی نعمت سے نوازے تا کہ وہ حقیقی نجات پا کر ہمیشہ کی نعمتوں میں خوش و خرم رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اور مغربی بنیاد دونوں کا جناب مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد پر اتفاق ہے لیکن مغربی دنیا جس سنجیدگی سے اس موضوع کو لے رہی ہے ہمارے ہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی اور متواتر پیش گوئیوں کے باوجود اس موضوع کو وہ اہمیت نہیں دی جا رہی۔ ہمارے ہاں سوائے چند لوگوں کے اس حوالے سے کسی نے معیاری کام نہیں کیا جبکہ مغرب میں متعدد ایسے باثر معزز لوگ ہیں جنہوں نے یہودیوں کی شدید مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے ان کے مظالم کا پردہ چاک کرنے کے ساتھ ساتھ متعصب عیسائیوں کے ساتھ ان کے گٹھ جوڑ اور نزولِ مسیح کو غلط معنی میں لینے پر مکمل گرفت کی ہے۔ یہ سلسلہ مشہور امریکی صنعت کار ہنری فورڈ سے شروع ہوا تھا اور پال فنڈلے، رووِن ڈیوڈ اور ڈیوڈ ڈیوک سے ہوتا ہوا گریس ہال سیل تک آ پہنچا ہے۔ اس عاجز کی شدید خواہش ہے کہ ان مغربی انصاف پسند اہلِ قلم اور ان کے کام کا تعارف قارئین سے کروائے۔ اس موقع پر یہ کہنا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں کے چند ایسے باتوفیق حضرات کی خدمات کو نہ سراہنا ناانصافی ہوگی جو اس موضوع پر دوران مصنفین کے حوالے گرانقدر کام کر رہے ہیں اور نامساعد حالات کے باوجود اس میں مسلسل جتے ہوئے ہیں۔ ان میں پاکستان سے جناب ذکی الدین شرفی، جناب رضی الدین سید اور بھارت سے جناب اسرار عالم قابلِ ذکر ہیں۔

متذکرہ بالا کتاب (جو 1999ء میں لکھی گئی) کا ترجمہ جناب ذکی الدین شرفی نے بی

2001ء میں شائع کیا ہے اور رضی الدین سید صاحب نے حال ہی میں اس حوالے سے جنگ سنڈے میگزین میں ''کیا ہیکل سلیمانی تیسری بار تعمیر ہوگا؟'' کے عنوان سے انکشافاتی مضمون لکھا ہے۔ بندہ کو گزشتہ دنوں روزنامہ ''اسلام'' میں چھپنے والی ایک خبر نے اس کتاب کی طرف متوجہ کیا جس کا عکس آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کتاب سے اس خبر کے علاوہ ان بہت سے مندرجات کی تصدیق ہوتی ہے جنہیں گزشتہ پانچ سال کے دوران فلسطین کے عشق نے آنسوؤں کی شکل میں ڈھل کر ضرب مومن کے صفحات پر بکھیرا ہے۔ ''حرمین کی پکار'' میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ دنیا کے سامنے آ کر رہا، اب ''اقصیٰ کے آنسو'' جن اندیشوں کے اظہار کے لیے بہہ رہے ہیں وہ بھی ہو کر رہے گا۔ اے اہلِ اسلام! وہ وقت سر پر آن پہنچا ہے جس میں گناہوں سے سچی توبہ اور اجتماعی مفاد کے لیے ان تھک جدوجہد کے علاوہ کوئی چیز کام نہ کرے گی۔

فلسطین کا ایک عاشق

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟

میں ایک چھوٹے سے قصبے میں پلی بڑھی۔ جہاں میں سنڈے اسکول میں اور گرجا گھر کا خطبہ سننے جایا کرتی تھی۔ وہاں میں پادریوں سے یاجوج وماجوج (God and Magog) یعنی دجال کے آنے اور اس کی شکست کے بارے میں سنتی رہتی تھی اور یہ بھی کہ انسان مرنے کے بعد پھر پیدا کیے جائیں گے اور دنیا کی آخری جنگ عظیم (Armageddon) میں الاؤ دہکائے جائیں گے اور وہ جنگیں لاوا اگلیں گی۔ یہ سب کچھ سن کر میں سمجھنے لگی کہ خدا ایک وحشت ناک طاقت ہے۔ وہ خطبے جو میں نے سنے، مثلاً: ویسٹ ٹیکساس کے طوفانی خطبے جو گہرا اندھیرا پیدا کر دیتے تھے ان سے محسوس ہوا کہ کوئی پراسرار طاقت مجھ پر حملہ آور ہو رہی ہے۔

میں مسیحیت کو کئی سال تک اپنے وجود کا حصہ سمجھتی رہی۔ بالکل جیسے میرے ہاتھ پاؤں میرے بدن کی کھال اور جلد کا رنگ میرے وجود کا حصہ ہیں۔ اب چونکہ بنیاد پرستی میرے وجود کا جزو لازم تھی، میں نے یہ جاننا چاہا کہ میرا اکمل وجود کیا ہے؟ چنانچہ اپنے آپ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے میں نے ایک ''مختلف فرد'' کا کردار اختیار کیا۔ گویا وہ فرد کوئی سیاہ فام ہے، ایک نیواجو انڈین ہے یا میکسیکو کا غیر قانونی باشندہ ہے۔ 1960ء کی دہائی میں جب مشرق وسطیٰ میں لڑائی چھڑ گئی تھی، میں وہائٹ ہاؤس (امریکا کے ایوانِ صدر) میں اسٹاف رائٹر (صدارتی تحریریں لکھنے پر مامور) تھی۔ میں قدیم مسیحی صحیفوں (Old Testament) کی کہانیوں سے آگے مشرق وسطیٰ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ جن دنوں جمی کارٹر اور رونالڈ ریگن صدر تھے، ان سے آخری جنگ عظیم (Armageddon) اور حیاتِ نو (Born Again) کی باتیں بہت سننے میں آتی رہیں اور بہت زیادہ زور آخری (The Rapture) پر ہوتا تھا۔[1] میں مسیحی خطبوں کے لیے ٹی وی کے سارے چینل کھنگالتی رہتی۔ جن میں زبردست مسحور کن پیرائے میں بتایا جاتا تھا کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں زمانہ آخر (End of Time) کا سامنا کرنا ہے اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جو اس لمحے میں جبکہ

(1) اس اصطلاح کی تشریح کتاب کے آخر میں دیکھیے۔

پوری انسانی تاریخ کی تباہی لکھی گئی ہے، زندہ ہیں۔

میں اپنے بچپن میں رات کے وقت گھٹنے ٹیک کر خدا سے (جو میرے حساب سے کہیں آسمانوں کے اندر تھا) دعا مانگا کرتی تھی تاہم جب میں خدا کا تصور کرتی تو وہ اتنا بڑا ہوتا کہ میرا ننھا سا دماغ اس کی تعریف نہیں کرسکتا تھا نہ اسے الفاظ میں بیان کرسکتی تھی۔ وہ سارے خطبے جو میں سنتی، انہیں من وعن تسلیم کرلیتی اور اپنے حافظہ میں محفوظ کرلیتی۔ 1980ء کے آخر عشرے میں میں نے جیری فال ویل کی سربراہی میں مقدس سرزمین (Holy Land) کی سیاحت دو بار کی۔ میری سیاحت اور تحقیق کے نتیجے میں ایک کتاب تیار ہوگئی۔ یہ ہے: "پیش گوئی اور سیاست" (Prophecy & Politics)۔ اب دو عشرے گزر جانے کے بعد میرے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ سمجھنا چاہیے کہ "مسیحی ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟" اس نئی کھوج کے نتیجے میں نئے سوالات پیدا ہوئے اور پھر یہ خواہش کہ ان کا جواب دینے کی کوشش کروں اور یہ بھی خیال آتا تھا کہ جیری فال ویل جیسے مسیحی، دنیا کے ختم ہوجانے کی دعائیں کیوں مانگتے ہیں؟ کیا ہمارے لیے "ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین" پیدا کرنے کی خاطر اس دنیا کو تباہ کردینا لازمی ہوگا؟ آخری جنگ عظیم (Armageddon)[1] کے نظریے پر سوچنے کے لیے میں نے ایسے سوال اٹھائے جو عام طور پر "مبتدی" اٹھاتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ہم میں سے کسی کو بھی اتنی لمبی زندگی نہیں ملتی کہ وہ ماہر اور کامل ہوجائے۔ زندگی اور موت اور ان سے متعلق باتیں جاننے کے لیے ہم سب بالکل اناڑی ہیں۔ وہ بھی جو بوڑھے ہوچکے ہیں، ان کی زندگی بھی اتنی کم ہے کہ بدستور اناڑی ہیں۔ لہٰذا میرے سوال جواب سب کے لیے کارآمد ہیں، مبتدیوں کے لیے بھی!

(گریس ہال سیل، اکتوبر 1999ء)

(1) مرمجدون (Armageddon) وہ عظیم جنگ ہوگی جو عیسائی عقیدہ کے مطابق ریاست اسرائیل کے علاقہ میں شر اور خیر کے درمیان ہوگی۔ The Rapture عقیدے کے مطابق عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی پر انہیں فضا میں استقبال کریں گے۔

روز آخر یعنی آخری جنگ عظیم کے مذہبی نظریے کی مقبولیت

(The Popularity of Armageddon Theology)

اپنی نوعمری کے زمانے میں میں مبلغوں سے "خدا کے دشمنوں" کے بارے میں بائبل کی کہانیاں سنا کرتی تھی۔ میں نے یاجوج اور ماجوج (Gog & Magog) کے لشکر کے بارے متعلق تمثیلی کہانیاں سنیں۔ یہ سب کی سب روحانی اور آسمانی ہوتی تھی یعنی ان جگہوں کے حوالے سے جو دنیا کے نقشے پر نظر نہیں آتے۔ آج "جیری فال ویل" اور "ہال لینڈ سے" کے ایک ہاتھ میں بائبل ہے اور دوسرے ہاتھ میں اخبار اور وہ خدا کے دشمنوں کی نشان دہی کر دیتے ہیں۔ یعنی اسرائیل پر آیندہ یقینی طور پر حملہ کرنے والے روس اور چین..

فال ویل اور لنڈ سے کہتے ہیں کہ ہم سب کے لیے خدا کی ہدایت ہے کہ ہم ہولناک جنگ لڑیں۔ ایسی جنگ جس کے ساتھ انسانی تاریخ ختم ہوجائے گی۔ اس وقت تقریباً ایک درجن ملکوں کے پاس ایٹمی اسلحے موجود ہیں، چنانچہ ہم دنیا کو یقینی طور پر ختم کرسکتے ہیں۔

ٹی وی پر تبلیغ کرنے والے پادری پیٹ رابرٹسن کہتے ہیں: بائبل میں دنیا کے آیندہ حادثات کی صریح شہادتیں موجود ہیں۔ یہ زمین کو ہلا دینے والی پیش گوئیاں ہیں۔ آخری جنگ عظیم ہوا ہی چاہتی ہے۔ یہ حزقیل (Ezakiel) کی تائید میں کسی وقت بھی ہوسکتی ہے۔ امریکا حزقیل کی راہ میں آگیا ہے اور ہم بس عین عالم انتظار میں ہیں۔

"آخری صبح" (Final Dawn) کے مصنف "جون ہیگی" لکھتے ہیں: امریکا جدید "معرکہ آخر" کی علامت بن گیا ہے اور ہم ہولناک تباہی کی طرف رواں دواں ہیں۔

پیسٹر کن باؤجن میگلین بائبل چرچ سے ہے اور جہاں صدر کلنٹن کے مقتدے میں کیتھ اسٹار، اسپیشل پراز یکیوٹر سنڈے اسکول میں پڑھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے اور

ہماری ہی زندگی میں کسی وقت ہوسکتا ہے۔ یہ صاحب لکھتے ہیں کہ (Armageddon) سے بھی پہلے، ہر دو میں سے ایک فرد ہلاک ہوجائے گا۔ یعنی آدی ختم ہوجائیں گے۔

ٹی وی کے مبلغ جیری فال ویل علانیہ لکھتے ہیں کہ آخری جنگ عظیم ایک خوفناک حقیقت ہے۔ ہم سب ایک آخری نسل کا حصہ ہیں۔ پوری تاریخ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرے بچے بھی اپنی پوری زندگی گزار سکیں گے۔ فال ویل معرکۂ عظیم کے بارے میں کہتے ہیں: ایک آخری جھڑپ ہوگی، پھر خدائے تعالیٰ اس کرۂ ارض کو ٹھکانے لگادے گا۔ خدا اس زمین کو اس کے آسمان کو سب تباہ کردے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کئی ارب افراد مرجائیں گے۔ یہ معرکۂ آخر ہولناک ہوگا۔

پولٹر کا بیان ہے کہ زیادہ سے زیادہ امریکی اس نظریے کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ 1984ء میں یانکے ہووچ (Yankehovich) کی رائے شماری میں یہ ظاہر ہوگیا کہ 39 فیصد امریکیوں کے عقیدے کی رو سے اور بائبل کے مطابق یہ زمین آگ سے تباہ ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آخری جنگِ عظیم سے پہلے آئندہ صدی میں ہم اپنی تہذیب کا خود ہی صفایا کرلیں گے۔ (یعنی اکیسویں صدی، موجودہ صدی)

1998ء کی رائے شماری سے ظاہر ہوا کہ اس خیال سے اور بھی زیادہ لوگ اتفاق کرتے ہیں۔ ٹائم میگزین نے بتایا کہ امریکا کی نصف سے کچھ زیادہ آبادی یعنی 51 فیصد لوگ یقین کرتے ہیں کہ آئندہ صدی میں انسان کی لائی ہوئی تباہی تہذیب کو نیست و نابود کردے گی۔ (یعنی موجودہ صدی)

عوامی طور پر مقبول پادری جو آخری جنگِ عظیم کے مذہبی نظریے پر یقین کرتے اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان میں درج ذیل افراد شامل ہیں:

☆ رائل اولس شیگن کے جیک وین امپی ہر ہفتے اپنی تقریر نشر کرتے ہیں اور نوے سے زیادہ چینل پر خطاب کرتے ہیں۔ ان میں ٹرینٹی براڈ کاسٹنگ مذہبی نیٹ ورک، امریکا کے 43

ریڈیو اسٹیشن اور ٹرانس ورلڈ ریڈیو جو دنیا بھر میں سنا جاتا ہے، شامل ہیں۔

☆ چارلس ٹیلر جن کا تعلق ہنٹنگٹن بیچ (کیلی فورنیا) سے ہے، اپنے نشریے میں "بائبل کی پیش گوئی آج کے لیے" نامی پروگرام کے تحت بیس سے زیادہ نشرگاہوں پر جو سیٹلائٹ کے ذریعے دنیا بھر میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں، اس مضمون کا اعلان کرچکے ہیں۔

اسٹوارٹ میک برین دینیات کے غیر سرکاری گریجویٹ اسکول کے صدر ہیں، وہ اپنے "اخباری تبصرے" میں نشر کرتے ہیں۔

☆ چک اسمتھ کا ریڈیو پروگرام جو سینکڑوں نشرگاہوں سے سنا جاتا ہے اور کالوری سیٹلائٹ نیٹ ورک سے بھی نشر ہوتا ہے۔ کوسٹامیسا (کیلی فورنیا) میں ان کا "کالوری چینل" ہے جس کے 25 ہزار ارکان ہیں۔ امریکا میں ان کے چھ سو سے زائد کالوری چینل ہیں اور بین الاقوامی طور پر ایک سو سے بھی زائد کالوری چینل ہیں۔

☆ رے پروبیک ایک پروگرام کے میزبان ہوتے ہیں جس کا عنوان ہے: "خبر کے پیچھے خدا کی خبر (God's news behind the news) ان کا اپنا ایک مجلّہ ہے، جس کا نام ہے: عکس و خبر (Reflection on the news)۔

☆ پال کراوچ کا ٹرینٹی براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک ہے جو یوم قیامت کے بارے میں پیش گوئیاں نشر کرتا ہے۔ یہ پورے امریکا کے گھروں میں دیکھا جاتا ہے اور سیٹلائٹ کے ذریعے دنیا بھر میں پہنچتا ہے۔ ان کے نیٹ ورک پر ہال لینڈ سے مستقل مہمان ہوتے ہیں۔ کراوچ کالاس اینجلز میں ہفتے کی صبح کو اپنا ریڈیو پروگرام ہوتا ہے، وہ کاؤنٹ ڈاؤن نیوز جرنل (Count down news journal) بھی شائع کرتے ہیں۔

☆ جیمز س ڈابسن، کولوریڈو میں مذہبی پروگرام کے براڈ کاسٹر ہیں اور "خاندان پر توجہ" (Focus on the Family) کے بانی ہیں۔ اس کے بیس لاکھ سے زیادہ ارکان ہیں۔ ریاستوں میں اس کی 34 شاخیں ہیں۔ تیرہ سو باتنخواہ عملہ ہے اور اس کا سالانہ بجٹ گیارہ کروڑ چالیس لاکھ ڈالر ہے۔ اپنے ریڈیو اور ٹیلی ویژن براڈ کاسٹ کے ذریعے وہ ہر ہفتے دو کروڑ 8

لاکھ افراد تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں۔

☆ لیوس پلاؤ (Luis Palaw) کو سننے کے لیے اتنا بڑا ہجوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے پارک ٹائمز نے 1999ء میں اپنے صفحہ اول پر ان کے بارے میں فیچر شائع کیا۔ ان کا اندازہ ہے کہ انہوں نے 67 اقوام سے خطاب کرتے ہوئے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد سے گفتگو کی ہے۔ ان کا ایک ہفتہ وار کیبل ٹی وی پروگرام ہے اور وہ ہر روز تین ریڈیو پروگرام نشر کرتے ہیں جنہیں بائیس ملکوں میں سنا جاتا ہے۔

آخری جنگِ عظیم کے نظریے (Armageddon Theory) پر کاربند مقبول عوام پادری نہ صرف بڑے بڑے ہجوم کو متاثر کرتے ہیں بلکہ بڑی دولت بھی کماتے ہیں۔

☆ اورل رابرٹس، ٹلسا (Tulsa) میں پادری ہیں۔ ایک بار انہوں نے اپنے سننے والوں سے کہا کہ مجھے اسی لاکھ ڈالر چاہیے ورنہ خدا مجھے اپنے گھر میں بلالے گا۔ چنانچہ ان کے پیروکاروں نے وہ رقم مہیا کردی۔

☆ ڈبلوا کرسول، وہ ڈیلاس میں پہلے بپٹسٹ چرچ کے (جس کے ارکان کی تعداد 26 ہزار تھی) پادری ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے عیسائی اجتماع میں حاضرین کو بتایا کہ انہیں چرچ کے "بجلی کے بل ادا کرنے ہیں" اور اس کے لیے اسی لاکھ ڈالر درکار ہوں گے۔ صرف ایک ہی اتوار کے چندے میں وہ رقم اکٹھی ہوگئی۔

☆ پیٹ رابرٹسن نے ورجینیا بیچ میں کرسچن براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک تعمیر کیا جس سے ہر سال نو کروڑ 70 لاکھ ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے اور اس منافع پر کوئی ٹیکس بھی نہیں ہے۔ اپنے سی بی این (CBN) میں انہوں نے ایک فیملی چینل بنایا ہے جو امریکا میں ساتواں سب سے بڑا نیٹ ورک ہے۔ یہاں سے رابرٹسن کا مقبول پروگرام گفتگو روبرو (Talkshow) دی سیون ہنڈرڈ کلب (The 700 Club) کے عنوان سے ہوتا ہے۔ رابرٹ بوسٹن نامی مصنف کے بقول یہ پروگرام جتنا مذہب کے بارے میں ہوتا ہے، تقریباً اتنا ہی سیاست کے بارے میں ہوتا ہے۔ 1997ء میں رابرٹسن نے اپنا فیملی چینل فاکس ٹیلی ویژن کو ایک اعشاریہ نو بلین ڈالر میں بیچ دیا۔

بوسٹن نے رابرٹسن کی سوانح عمری "امریکا کا خطرناک ترین آدمی" (The Most Dangerous Man in America) کے عنوان سے لکھی اور یہ بتایا کہ مذہبی پروگراموں کی آمدنی سے، جس پر کوئی ٹیکس نہیں، دوسرے منصوبوں میں سرمایہ کاری کی جاتی تھی جن میں سیاسی نوعیت کے منصوبے بھی شامل تھے۔ خاص طور پر کرسچن کولیشن (Christian Coalition) کی سرمایہ کاری۔ دو کروڑ 50 لاکھ ڈالر سالانہ بجٹ کے ساتھ۔ کرسچن کولیشن کا دعویٰ ہے کہ اس کے ارکان کی تعداد سترہ لاکھ ہے اور اس کی الحاقی اور مقامی شاخیں امریکا کی 50 ریاستوں میں موجود ہیں۔ بوسٹن کے بیان کی رو سے، کرسچن کولیشن امریکا کی سیاسی تنظیموں میں واحد سب سے زیادہ بااثر سیاسی تنظیم ہے۔

رابرٹسن زائرے کے سابق صدر اور ڈکٹیٹر موبوتو کے مستقل طرف دار اور حمایتی تھے۔ چنانچہ زائرے میں ان کی ہیرے کی ایک دکان بھی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک "آپریشن بلیسنگ" نامی ادارہ چلاتے ہیں۔ یہ ایک خیراتی ادارہ ہے، جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہے۔ اس میں دنیا بھر کی سیاحت کا انتظام ہے۔ 1999ء میں ورجینیا کے سینیٹر جینٹ ڈی میوول نے چیلنج کیا کہ آپریشن بلیسنگ کو ٹیکس میں چھوٹ نہیں ملنا چاہیے کیونکہ اس کے طیارے دراصل ہیرے کی کان میں استعمال ہونے والے آلات لاد کر لے جاتے ہیں اور یہ کان رابرٹسن کی ہے۔

رابرٹسن 1988ء میں صدارتی انتخاب کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ 1999ء میں وہ ایک بڑے بینک کے چیئرمین بننے جا رہے تھے۔ منصوبے کے مطابق ان کا نیا نیشنل بینک، بینک آف اسکاٹ لینڈ سے ملحق ہوگا۔ اس کی شاخیں نہیں ہوں گی اس کی بجائے وہ اپنے گاہکوں سے ٹیلی فون اور ڈاک کے ذریعے رابطہ رکھیں گے۔ کرسچن براڈ کاسٹنگ ورک اور اس کی سیاسی تنظیم کرسچن کولیشن میں بھی عطیات کی وصولی کا یہی طریقہ اس نے رکھا تھا۔ نیویارک ٹائمز مطبوعہ 3 مارچ 1999ء کے مطابق اس بینک کا نہایت اہم اقلیتی حصہ ہوگا اور اس کی امریکن ہولڈنگ کمپنی کا صدر ہوگا۔

قطر میں امریکا کے سابق سفیر اینڈریو کل گو، نے کہا کہ اگر کوئی غیر ملکی کمپنی رابرٹسن کے

طریقہ پر کام کرنا چاہتی ہو تو اس کا کام اس لیے آسان ہو جائے گا کہ رابرٹسن کے پاس ایک غیر الحاقی بینک ہے۔ کل گوراب امریکن ایجوکیشنل ٹرسٹ کے صدر ہیں۔

آخری معرکے (Armageddon) پر کتابیں جان گریشم کے ناولوں سے اگر زیادہ نہیں تو اس کے برابر ضرور فروخت ہوتی ہیں۔ ہال لنڈسے کی کتاب ''آنجہانی عظیم کرۂ ارض'' (The Late Great Planet Earth) کی دو کروڑ پچاس لاکھ سے زیادہ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ 1970ء کی پوری دہائی میں یہ سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی اور بائبل کے سوا ہر کتاب سے زیادہ فروخت ہوئی۔ اس نام سے اس پر فلم بھی بنائی گئی جس میں اورسن ویلس نے تبصرہ کیا ہے۔ لنڈسے نے چار اور ناول لکھے جن میں سے ایک کا نام ''جہان نو ہو رہا ہے پیدا'' (There is a New World Coming) ان سب ناولوں میں ایک ہی پیش گوئی کی گئی تھی کہ آخری جنگ (Armageddon) بالکل سامنے ہے اور یہ دنیا تباہ ہو جائے گی۔

1990ء کی دہائی کے آخری زمانے میں ٹم لاہائی (Tim Lahaye) نے ایک سلسلے کی چار کتابیں ''پیچھے رہ جانے والے'' (Left Behind) کے نام سے لکھیں۔ وہ مبشراتی کلیسا کے ماننے والے (Evanglist) ہیں۔ ان کا موضوع ''دوبارہ مسیحی پیدا ہونے کی نوید'' (Rapture of Born Again Christians) ہے۔ ان کی کتاب کی تیس لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ پبلشر ویکلی کے ایڈیٹر نے بتایا کہ ''ان کتابوں کی مقبولیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیوں سے نکل کر وہ سیکولر لوگوں میں بھی پہنچ گئی ہیں اور ایسے کمرشل بازاروں مثلاً: وال مارٹ اور کے مارٹ میں خوب فروخت ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کتابیں ہمارے کلچر پر حاوی ہو گئی ہیں۔''

بائبل چرچ: ڈلاس کی مذہبی درس گاہ (Dallas Theological Seminary) اس فکر کا سرچشمہ ہے کہ خدا کی ہدایت کے بموجب ہمیں اس دنیا کو ختم کر دینا چاہیے۔ بہت سے پادریوں نے اس نظریے میں اپنے درس کی تکمیل کی ہے اور اب تقریباً ایک ہزار بائبل چرچوں میں اس مذہبی نظریے (Armageddon Theory) کی تبلیغ کر رہے

ہیں۔ حالیہ برسوں کے دوران میں پورے امریکا کے اندر ایسے بائبل چرچ کھلے گئے ہیں جو کسی بھی بڑے چرچ سے وابستہ نہیں بلکہ آزاد ہیں۔ تاہم بائبل چرچوں کی انٹرنیشنل فیلوشپ کے اندر وہ آپس میں رابطہ رکھتے ہیں۔

ایک ویب سائٹ کے مطابق نئے بائبل چرچوں کی سب سے زیادہ تعداد مشی گن، نیوجرسی اور پنسلوانیا میں ہے۔ ٹیری ایسٹ لینڈ نے وال اسٹریٹ جرنل (12 فروری 1999ء) میں لکھا ہے کہ بہت سے بائبل چرچ ''قدامت پرست ڈلاس، ایتھولوجیکل سیمناری سے روحانی رشتہ رکھتے ہیں جس نے براہ راست یا بالواسطہ طور پر بائبل چرچوں کے بیشتر پادری پیدا کیے ہیں۔''

امریکا میں بنیاد پرست تقریباً 5 کروڑ ہیں۔ وہ لاتعداد مذہبی تنظیموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ (Armageddon) کے مذہبی نظریے کے سب سے پُرجوش وکیل مبشراتی چرچ اور دوسری پُرکشش تحریکوں کے ارکان ہیں۔ وہ شمالی امریکا کے مسیحیوں میں بنیاد پرستی کی سب سے تیزی سے مقبول ہونے والی شاخ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مسیحیت کے اس بڑھتے اور پھیلتے ہوئے شعبوں میں محترم عالم مذہبات، پادری اور دینی درسگاہوں کے سربراہ ایک ہی مسلک کی تعلیم دیتے ہیں جیسا کہ ایک مسلک کے رہنما جم جونز نے موت کے دہانے تک پہنچاتے ہوئے اپنے پیچھے آنے والوں سے کہا تھا: دنیا ختم ہوا چاہتی ہے لہٰذا ہمیں اس کا ساتھ دینا ہوگا ہمیں اس ہجوم سے آگے نکلنا چاہیے۔

یہ دنیا کے خاتمے اور آخری جنگِ عظیم (Armageddon) کے نظریے کی مقبولیت ''سرپھرے افراد'' سے لے کر اعلیٰ ترین ارباب حکومت تک میں دیکھی گئی ہے۔ رابرٹ شیر نے ایک کتاب لکھی ہے، نام ہے: (With Enough Power Reagan Bush & Nuclear War) کتاب میں لکھا ہے کہ وزیر دفاع کیسپر وائن برگر نے 1983ء میں (Armageddon) کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا: جی ہاں میں نے ''انکشاف کی کتاب'' (Book of Revelation) پڑھی ہے۔ میرا یقین ہے کہ دنیا ختم ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا حکم الٰہی سے ہوگا۔ ہر روز مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔

تاریخ کے ایک محقق ڈیو میکفرسن نے کہا ہے: آرمیگڈون تھیوری میں خطرہ یہ ہے کہ یہ یقینی موت پر مبنی اور چھوت کی طرح پھیلتی ہے۔ ایک مثال اس کی یہ ہے کہ ساٹھویں کی دہائی کے آخری دنوں میں جب کہ 70 کی دہائی شروع ہونے والی تھی، ہربرٹ ڈبلو آرمسٹرانگ نے اپنے سینکڑوں مقلدوں کو باور کرادیا تھا کہ اپنی ساری املاک ورلڈ وائڈ چرچ آف گاڈ کے حوالے کردیں اس لیے کہ دنیا ختم ہونے والی ہے۔

میلنیم پروفیسی رپورٹ کے ایڈیٹر ٹیڈ ڈینیل نے جن کا تعلق فلاڈیلفیا سے ہے، کہا: وہ لوگ جنہیں یہ اُمید ہوتی ہے کہ دنیا عنقریب ختم ہوجائے گی، عجیب وغریب حرکتیں کرتے ہیں۔ ڈینیل کے پاس اس طرح کے 12 سو سے زیادہ عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق کوائف موجود ہیں، ان گروہوں کا تعلق امریکا سے اور اس سے باہر کے ممالک سے ہے۔

دنیا کے یقینی خاتمے کے عقیدہ رکھنے والا ایک گروہ کوریا میں ہے، اس کا نام ہیوگو (Hyoo-Go) ہے۔ اس کے ارکان کو توقع تھی کہ 1992ء میں تمام حق پرستوں کو دنیا سے اُٹھا کر جنت میں پہنچادیا جائے گا اور پھر باقی دنیا کے لیے آخری موت کے دور کا آغاز ہوگا۔

ایک اور گروہ (The Order Of Solar Temple) ہے۔ یہ ایک خفیہ فرقہ ہے۔ 1994ء میں اس نے اجتماعی خودکشی کا عمل کیا۔ چنانچہ سوئٹزرلینڈ اور کینیڈا کے لوگوں نے اپنی جانیں دے دیں۔ پچاس افراد نے اس طرح خودکشی کی کہ بڑے بڑے تمغے ان کے سینوں پر سجے ہوئے تھے جس میں "یقینی موت" کی علامت "چار گھڑسوار" بنے ہوئے تھے۔

ایک اور تنظیم "برانچ ڈیوڈیان" ہے۔ اس کے ماننے والے واکو ٹیکساس سے باہر رہتے ہیں۔ اپریل 1993ء میں وفاقی ایجنٹوں نے ان کے احاطے پر حملہ کردیا اور مرگ عالم پر عقیدہ رکھنے والے اسّی افراد موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔

ایک تنظیم ہیونز گیٹ (باب جنت) ہے۔ سین فرینگو کے مضافات میں اس کے 39 ارکان نے اپنے آپ کو ختم کردیا اور اپنے پیچھے کاغذات چھوڑ گئے جن میں لکھا تھا کہ یہ دنیا تمام تر شر اور فساد ہے اور اس کا غارت ہوجانا یقینی ہے۔

وائس ان دی ولڈرنیس (ویرانے میں آواز) نامی گروپ ملفورڈ ریاست نیو ہمشائر میں رہتا ہے۔ اس کا مشورہ یہ ہے کہ درخت مت لگاؤ اور آگے کے منصوبے مت بناؤ کیونکہ اس طرح کی احتقانہ سرگرمیوں کے لیے مہلت نہیں۔

لٹل راک ریاست آرکنساس کے قریب قلعہ نما ایک قصبہ ہے، جہاں تقریباً سو باشندے مسلح اور کیل کانٹے سے لیس کام کرتے ہیں۔ عبادت کرتے اور اس کے ساتھ فوجی ڈرل کرتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ کسی بھی وقت تباہیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوجائے گا اور انسانی تاریخ ختم ہوجائے گی۔ کلائم ماسٹر کے بمبار ٹموتھی میک ویو نے جس کو سزا دی گئی ہے 1995ء میں اوکلاہاما جا کر وفاقی عمارت پر بمباری سے پہلے بلوہم سٹی میں اپنے دوستوں کو فون کر دیا تھا۔

اس عرصے میں مسیحیت کے تشخص کی تحریک نے، جو ریگن اور بش کے زمانے سے اُبھر کر سامنے آئی، عالمگیر نوعیت اختیار کرلی ہے جس میں دائیں بازو کی انتہا پسندی کو بہت فروغ ہوا ہے۔ اس کا مرکزی تصور یہ ہے کہ دوسرے سے نفرت کرو۔ یہ "دوسرے" کون ہیں؟ یہ ہیں سیاہ فام نسل کے لوگ، یہودی عورتیں، ہم جنس پرست، اسقاط کرانے والے ڈاکٹر اور لبرل (آزاد طبع لوگ)۔ پیٹرک منگیز نے اپنی کتاب (Apocalypse Now) میں لکھا ہے: ان کی مذہبیات ایک عجیب طرح کا تہذیبی نظام ہے جس میں نظریاتی اتحاد کی تلقین اور انتہائی دائیں بازو والوں کو ایک نظریاتی سانچہ موجود ہے۔ یہ ہیں کوکلکس کلان، نئے نازی سرمنڈے نسل پرست اور آریانیوں کی مدافعتی تحریکیں۔

آئڈنٹٹی (Identity) نامی تنظیم کا ایک ہیرو جو شمالی اڈیہو کا باشندہ ہے، وہ اگست 1992ء کے گیارہ روزہ علامتی مظاہرے میں شامل تھا۔ وہ ایک افسر کے قتل کے الزام سے بری کیا جاچکا ہے۔ ٹیکساس کے احاطے میں اس پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ "امریکن ہولوکاسٹ" نامی انتہائی دائیں بازو کے ارکان نے بنایا تھا۔ گزشتہ سات سال کے اندر مسیحی تشخص (Christian Identity) کی تحریک تین ہزار ارکان سے آگے نکل کر تیس ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ ایک اندازہ ہے کہ اس کی مستقل رکنیت سے قطع نظر اس کے مقلدین کی تعداد تقریباً ڈھائی لاکھ ہے۔

امریکا میں انتہائی تیزی سے پھیلنے والا عقیدہ
نظریہ آخری جنگ عظیم ''آرمیگاڈون'' کیا ہے؟

(What is Armageddon)

امریکا میں ایک نئے مذہبی عقیدے نے ظہور کیا ہے۔ اس کے ماننے والوں میں سبھی نام نہاد ''جنونی'' شامل نہیں بلکہ متوسط سے بالائی طبقہ کے امریکی شامل ہیں۔ یہ لوگ ٹی وی کے پادریوں یا مسیحی مبلغوں کو سنتے ہیں اور ہر ہفتے ان کو لاکھوں ڈالر نذر کرتے ہیں۔ یہ مبلغ اس عقیدے کی مبادیات بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ لنڈسے (Hal Lindsey) اور ٹم لاہائی (Tim Lahaye) کو پڑھتے ہیں۔ ان کا ایک ہی مقصد ہے یعنی خدا کے ہاتھوں کو سہولت فراہم کرنا ہے (یعنی Forcing God's Hands) تاکہ وہ ہاتھ انہیں اُٹھا کر جنت میں پہنچادیں جہاں کوئی مصیبت نہیں ہوگی اور جہاں سے وہ آرمیگاڈون یعنی خیر وشر کا آخری معرکہ اور کرۂ ارض کی تباہی کا منظر دیکھیں گے۔ یہ نظریہ (Assemblies of God)، (Penicostal) اور دوسرے کرشمہ ساز کلیساؤں اور مزید یہ کہ (Southern Baptis) تک پھیل گیا ہے۔ یہ نظریہ Baptist میں اور لاتعداد چھوٹے بڑے گرجاؤں میں پہنچ گیا ہے (آج کی مسیحی دنیا میں تیزی سے پھیلنے والی یہی تحریک ہے۔)

ایونجیلیکل ازم
(Evangelicalism) کیا ہے؟

اس عقیدے کے مقلد اپنے مسلک میں شدید بنیاد پرست ہیں اور اس وقت امریکی باشندوں کی تقریباً ایک چوتھائی تعداد اس کی ماننے والی ہے۔ ولیم مارٹن، رائس یونیورسٹی میں سوشیالوجی کے پروفیسر کا بیان: کیمپس کروسیڈ فار کرائسٹ (Campus Crusade

for Christ) اس تنظیم کو مالی امداد فراہم کرنے والے بڑے ثروت مند لوگ، جناب بیلسن ہنکس اور ڈی کلسن ڈیوس ہیں۔ یہ تحریک بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کا مقصد ایک بلین ڈالر جمع کرنا ہے تاکہ کرۂ ارض کے ہر فرد تک مسیح کا پیغام پہنچادیں۔ سولہ ہزار مسیحی پادری جن کی تعداد میں ہر روز ایک کا اضافہ ہو رہا ہے اور جو سالانہ دو بلین ڈالر کی نجی تعلیمی صحت سے وابستہ ہیں۔ ان کے علاوہ کل وقتی مبلغ دو کروڑ افراد تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں اور آدھے بلین ڈالر سے زیادہ عطیات اکٹھا کر لیتے ہیں۔

(مصنف: کرافٹ ویکر)

(Evangelical Tradition in America)

اسرائیل: اسٹیج کا مرکز

آرمیگاڈون (Armageddon) کیا ہے؟

آرمیگاڈون تھیولوجی (Armageddon Theology)۔ یعنی یہ عقیدہ کہ ایک آخری معرکے کے بعد انسانی زندگی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے 1983ء میں، 269 دوسرے عیسائیوں امریکیوں کے ساتھ نام درج کرایا۔ ہمارا ارادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس سرزمین کی سیاحت کا تھا۔ اس کا اہتمام مشہور عیسائی مبلغ جیری فال ویل نے کیا تھا۔ تل ابیب میں طیارے سے اُترنے کے بعد ہم سب 50،50 کے گروپوں کے ساتھ الگ الگ بسوں میں سوار ہوئے اور شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہماری منزل تل ابیب سے 55 میل شمال میں میگیڈو تھی۔ یہ جگہ بحیرۂ روم سے (خشکی میں) پندرہ میل اندر تھی۔ راستے میں میری شناسائی کلائیڈ سے ہوگئی۔ وہ مینو پولیس کے ایک سابق کاروباری عہدیدار ہیں۔ ان کی عمر ساٹھ کی دہائی کے آخری برسوں میں پہنچ گئی تھی۔ وہ کالج گریجوایٹ ہیں اور دوسری عالمی جنگ میں فوجی افسر رہ چکے ہیں۔ کلائیڈ چھ فٹ لمبے ایک وجیہہ انسان ہیں۔ سر پورے بال ہیں جن میں تھوڑی سفیدی آچکی ہے۔

میگوڈو پہنچ کر ہم بس سے اُتر گئے اور کچھ دور چل کر ایک ٹیلے پر پہنچ گئے۔ یہ ایک مصنوعی پہاڑی ہے جس نے قدیم اقوام کے یکے بعد دیگرے باقیات کو ڈھانپ رکھا ہے۔

کلائیڈ کہتے ہیں: یہاں کنعان کا قدیم شہر آباد ہے۔ پھر وہ بتاتے ہیں کہ ہم السیڈرلون (Esdraclon) کے لق ودق چٹیل میدان میں کھڑے ہیں جسے پرانے صحیفوں میں جزرائیل کی وادی (Vally of Gezreel) کہا گیا ہے۔ قدیم زمانے میں میگوڈو ایک بڑا اہم شہر ہوا کرتا تھا۔ یہ نہایت اہم فوجی اور تجارتی قافلوں کے وسط میں واقع تھا۔ کلائیڈ جسے تاریخ سے گہری دلچسپی ہے، نے بتایا کہ پرانی ساحلی گزرگاہ ویامارس (Via Maris) جو مصر کو دمشق سے اور مشرق کے علاقوں سے ملاتی تھی، اسی میگوڈو کی وادی سے گزرتی تھی۔

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ جتنی جنگیں یہاں لڑی گئی تھیں، دنیا میں شاید ہی کہیں اور لڑی گئی ہوں گی۔ قدیم فاتحین کہا کرتے تھے کہ کوئی سردار اگر میگوڈو پر قبضہ کر لیتا تو اس کے لیے ہر حملہ آور کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا تھا۔

آپ نے جوشوا 21-12 میں پڑھا ہوگا کہ یہاں ایک جنگ میں کس طرح جوشوا اور اسرائیل نے کنعانیوں کو شکست دے دی تھی۔ گفتگو جاری رکھتے ہوئے وہ مزید کہتے ہیں: اور دو سو برس بعد ڈیبور اور بارک کی سرکردگی میں اسرائیلی فوجوں نے کنعان کے کیپٹن سہیرا کے خلاف جنگ جیت لی تھی۔ (انصاف کا سفر 4 اور 5 ملاحظہ کیجیے)

اور پھر جیسا کہ ہم جانتے ہیں سلیمان بادشاہ نے شہر کے گرد حصار قائم کر دیا اور اس جگہ کو اپنا فوجی مرکز اپنے گھوڑوں اور رتھوں کے لیے بنا دیا۔

حالیہ تاریخ میں بھی یہاں بڑی اہم جنگیں لڑی گئی ہیں۔ 1918ء میں پہلی عالمی جنگ کے خاتمے کے قریب انگریز جنرل ایلن بی نے ٹھیک اسی جگہ میگوڈو کے مقام پر ترک فوجوں کے خلاف زبردست فتح حاصل کی تھی۔

ہماری پارٹی کے سبھی لوگ ٹہلتے ہوئے ایک دوسرے اہم مقام پر پہنچ گئے۔ ہم نے رک کر غور سے اس پورے منظر کو اپنی آنکھوں میں سمیٹ لیا۔ سامنے شمال مغرب کی طرف جزریل کی

وادی خاصی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

پھر کلائیڈ جذبات سے بھری ہوئی آواز میں بولا: آخر کار! میں اس آخری بڑی جنگ کے میدان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

میں سوال کرتی ہوں: اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہی مقام آرمیگاڈون (آخری جنگِ عظیم) کی جگہ ہے؟

آپ میگوڈو کا نام لیجیے اور اس کے ساتھ عبرانی زبان لفظ "ہر" کا اضافہ کر دیجیے جس کے معنی ہیں پہاڑ۔ اس طرح محاورے میں میگوڈو پہاڑ کے معنی نکل آتے ہیں یعنی میگوڈو یا ہرمیگوڈو۔ اسی سے لفظ نکلا "آرمیگاڈن"۔

مجھے تو پہاڑ نظر نہیں آرہا ہے لیکن چونکہ ہم ایک وادی کی طرف دیکھ رہے ہیں اور ایک بلند جگہ پر کھڑے ہیں اس لیے "ہر" کی موجودگی کو آسانی سے فرض کیا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود میں سوال کرتی ہوں: ہرمیگوڈو جس کے لفظی معنی میگوڈو کا پہاڑ ہے، تو وہ ایک جگہ ہی ہوئی۔ کوئی واقعہ تو نہیں ہوا؟

کلائیڈ جواب دیتے ہیں: نہیں نہیں! یہی وہ جگہ ہے جس سے وابستہ سبھی قومیں ہیں۔ عیسیٰ کی قیادت میں خیر کی طاقتوں کی آخری جنگ شر کی طاقتوں کے خلاف اسی جگہ ہوگی۔ (**نوٹ:** یاد رہے صدر بش اپنے حلیفوں کو خیر اور مخالفین کو شر کی طاقت قرار دے چکے ہیں۔ مترجم)

لاکھوں دوسرے لوگوں کی طرح میں کلائیڈ سے یہ اقرار کرتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ آرمیگاڈون کا نام سنا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ لفظ کہاں سے نکلا ہے۔ کلائیڈ اس کی وضاحت کرتے ہیں: جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، بائبل میں آرمیگاڈون کا نام صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔ وہ بک آف ریویلیشن یعنی انکشاف کی کتاب میں ہے۔ وہ ہے باب 16 عبارت 14۔ اور کلائیڈ اس مختصر عبارت کا حوالہ سناتے ہیں: "اور اس نے ایک جگہ سب کو اکٹھا کیا، جو عبرانی زبان میں آرمیگاڈون ہے۔"

چونکہ آرمیگاڈون کا لفظ ہماری زندگیوں میں اتنا اہم ہوگیا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے میں

اس مخرج کا پتہ لگا ہی لوں گی۔ قدیم صحیفے (Old Testament) میں اس کا کوئی ذکر نہیں اور انکشافات میں ایک جگہ کا ذکر ہے جسے آرمیگاڈون کہا گیا ہے لیکن کلائیڈ کو اصرار ہے کہ آرمیگاڈون کے معنی جنگ کے ہیں۔

''جان دی ڈیوائن'' (John The Devine) نے کتاب انکشاف لکھی اور جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ ہمیں اس زمانے کے بارے میں جواب اپنے آخری دنوں پر ہے، بیشتر معلومات جان ہی سے ملتی ہیں۔ وہ ہمیں اس آخری عظیم جنگ کی ایک مکمل تصویر دکھاتا ہے جو عین اسی جگہ لڑی جائے گی۔ یاد کرو کہ اس عظیم جنگ کا کیا منظر اس کے سامنے تھا جسے اس نے تحریر کیا: ''اقوام کے شہر تہس نہس ہوگئے۔'' ایک ایک جزیرے سے غائب ہوگئے اور پہاڑ لاپتہ ہوگئے۔

چنانچہ خدا جان کے ذریعے ہمیں تفصیل سے بتاتا ہے کہ وہ آخری جنگ عظیم کیسی ہوگی؟ کلائیڈ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتا ہے اور ان چار فرشتوں کے بارے میں صحیفوں کے حوالے دیتا ہے جو دریائے فرات میں ہیں اور جنگ آزماؤں کی اس فوج کا ذکر کرتا ہے جو دو لاکھ پر مشتمل ہے اور گھوڑوں پر سوار ہے۔ گھوڑے جن کے نتھنوں سے آگ، دھواں اور لاوا اُگلتا ہوتا ہے۔ وہ اورینٹل آدمی (مشرقی فوج) جس کی پیش قدمی کا رُخ ایک سال تک مغرب کی طرف ہوگا دریائے فرات تک پہنچنے سے پہلے دنیا کے سب سے گنجان آباد علاقے پر حملہ کر کے اسے تہس نہس کر دے گی۔

صدر ریگن نے 1983ء میں امریکن اسرائیل پبلک افیئر زکمیٹی کے ٹام ڈائن سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔ آپ کو علم ہے میں آپ کے قدیم پیغمبروں سے رجوع کرتا ہوں جن کا حوالہ قدیم صحیفے میں موجود ہے اور آرمیگاڈون کے سلسلے میں پیش گوئیاں اور ان کی علامتیں بھی موجود ہیں اور میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ کیا ہم ہی وہ نسل ہیں جو آئندہ حالات کو دیکھنے کے لیے زندہ ہے..... یقین کیجیے (یہ پیش گوئیاں) یقینی طور پر اس زمانے کو بیان کر رہی ہیں، جن سے ہم گزر رہے ہیں۔

سولہویں انکشاف سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے فرات خشک ہو جائے گا اور اس طرح مشرق کے بادشاہوں کو اجازت مل جائے گی کہ اسے پار کر کے اسرائیل پہنچ جائیں۔

مشرق کے بادشاہ؟ میں اپنے الفاظ دہراتی ہوں۔ میرا ذہن فرات کے مشرق میں واقع دنیا کے ایک خطے کی طرف جا نکلتا ہے آج کی دنیا میں مجھے تو وہاں کوئی بادشاہ نظر نہیں آتا۔ ہمارے زمانے میں مشرق میں فرات کے دوسری طرف ایک ہی اور آخری بادشاہ، شاہ ایران تھا۔ آج وہاں کوئی بادشاہ نہیں رہے۔ جان کے زمانے میں بادشاہ رہے ہوں گے۔ میں کہتی ہوں تو کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ جان اپنے زمانے کے بارے میں لکھ رہے تھے۔ ہمارے زمانے کے بارے میں نہیں؟

نہیں نہیں! کلائیڈ کہتے ہیں۔ بادشاہوں سے مراد لیڈر مملکتوں کے سربراہ ہو سکتے ہیں۔ کلائیڈ جو ایک ادبی فرد ہیں۔ بائبل کی عبارت کو لغوی معنوں میں نہیں لیتے۔ اس نقطے پر میرے زور دیے بغیر کلائیڈ اپنا بیان جاری رکھتا ہے۔ بادشاہ یا سربراہ تاریخ کی عظیم ترین افواج لے کر ٹھیک یہاں اس مقام پر میگڈو میں آئیں گے۔ جب وہ بتاتے ہیں کہ ایک فرشتہ عظیم دریائے فرات پر ایک شیشی کا سیال مادہ گرائے گا اور اس کے ساتھ ہی دریا خشک ہو جائے گا اور اس بھاری فوج کے لیے دریا کے سوکھے میدان سے گزرنا ممکن ہو جائے گا یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل جاتی ہیں اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔

پیش گوئیوں کا مطالعہ کر کے کوئی بھی شخص یہ جان سکتا ہے کہ خدا نے ان تبدیلیوں کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا۔ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں، ہم جو کچھ بھی پڑھتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخری لڑائی بہت جلد ہوگی اور اس آخری لڑائی میں جیسا کہ آپ کو زکریا (Zechariah) اور انکشافات کے مطالعہ سے علم ہوگا اس پوری سرزمین کی ساری قوموں کی تمام افواج حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کے خلاف جنگ کریں گی اور جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ عیسیٰ تاریخ کی اس انتہائی خوں ریز جنگ میں لاکھوں افراد کو ٹھکانے لگا دیں گے۔

اس نکتے کو سچ ثابت کرنے کے لیے کلائیڈ اپنے حافظے کی مدد سے مقدس کتاب Thessalonians 2:8 کا یہ حوالہ دیتے ہیں:

''اور تب وہ شر ظاہر ہوگا جسے خدا اپنی زبان کی طاقت سے ختم کر دے گا، اور اس کے آنے

کی چمک دمک سب کو غارت کر دے گا۔"

میں کلائیڈ کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہوں کہ عیسائیوں نے جنت اور دوزخ سے باہر آرمیگاڈون کے تصور پر جس قدر غور کیا ہوگا، غالباً اتنا تو کسی اور جگہ کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا۔

ادھر کلائیڈ اور میں کھڑے باتیں کر رہے ہیں، ادھر ہمارے گروپ کے دوسرے لوگ چٹانوں پر یا گھاس کے قطعات پر بیٹھے ہیں اور وادی کو بغور دیکھ رہے ہیں۔ جس میں گندم اور مکئی کے کھیت اور پھلوں کے باغات جگہ جگہ نظر آتے ہیں یہ جگہ بہت پرسکون اور خاموش ہے لیکن کلائیڈ کا چہرہ دیکھ کر اور اس کے الفاظ سن کر یوں لگتا ہے کہ یہ جگہ ایک بڑے دھماکے کی طرف جا رہی ہے اور ایسا ہونا بالکل یقینی ہے وہ اس کی تفصیلات اور اعداد و شمار کے بارے میں نہایت پر یقین ہے۔

اس کے بعد وہ جنگ ہمارے سامنے پھیلے ہوئے اس کھیت میں لڑی جائے گی۔ اس وادی میں جو اتنی چھوٹی سی ہے کہ "نبراسکا" کے پورے فارم میں آسانی سے سما جائے اور اگر ٹیکساس کے کسی بڑے خطے (طویل قطعہ اراضی) میں رکھی جائے تو اس کے طول و عرض میں نظر ہی نہ آئے۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹی ہوئی اس مختصر سی خاموش وادی کا تصور کرتے ہوئے میں کلائیڈ سے پوچھتی ہوں کہ اس آخری عظیم فیصلہ کن جنگ کے لیے یہ جگہ تو بہت چھوٹی لگتی ہے۔

"ارے نہیں! یہ اتنی چھوٹی نہیں ہے، یہاں بہت سے ٹینک لائے جا سکتے ہیں۔"

"ٹینک" میں پوچھتی ہوں اور روئے کرۂ ارض کی ساری افواج؟"

"ہاں! یاد رہے کہ یہ عظیم ترین جنگ ہوگی۔ لاکھوں افراد ٹھیک اسی جگہ ہلاک ہوں گے۔"

میگڈو میں، یہیں اسی جگہ ایٹمی جنگ شروع ہو جائے گی جس سے دنیا تباہ ہو جائے گی؟

میرے جواب میں وہ کہتے ہیں: "ہاں! آپ اسے حزقیل کے باب 38 اور 39 میں پڑھ لیں۔ اس میں ایٹمی جنگ بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ دھواں دھار بارش ہوگی۔ اولے پڑیں گے۔ آگ اور لاوا برسے گا اور زمین میں زبردست لرزہ طاری ہوگا۔ جس سے پہاڑ گرنے لگیں گے۔ چٹانیں ٹوٹنے لگیں گی اور ہر طرح کی وحشت کے آگے دیواریں زمیں بوس ہونے لگیں گی۔ حزقیل میں ایٹمی اسلحہ کے دو طرفہ استعمال کے سوا، بمشکل کوئی اور ذکر کیا گیا ہے۔

کلائیڈ کے اس پُر یقین انداز سے میرا ذہن چکرانے لگتا ہے۔ میں کہتی ہوں کیا آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پانچ ستاروں والا جرنیل قیاس کیا ہے جو ایٹمی اسلحہ کے استعمال کو ترجیح دے گا؟ وہ جواب دیتے ہیں۔ جی ہاں! دراصل ہمیں اُمید ہے کہ پہلا وار عیسیٰ خود کریں گے، وہ ایک نیا ہتھیار استعمال کریں گے جس کے وہی اثرات ہوں گے جو نیوٹرون بم کے استعمال سے ہوں گے۔ آپ خود ہی پڑھ لیں کہ لوگ اپنے قدموں پر کھڑے رہیں گے اور ان کے بدن کا سارا گوشت گل چکا ہوگا۔ ان کی آنکھیں اپنے خول میں ختم ہو چکی ہوں گی اور زبانیں منہ کے اندر گل چکی ہوں گی۔ آپ دیکھ لیں کہ ایٹمی دھماکے سے کیا ہوتا ہے۔ زکریا (Zechariah) کو اس کا پہلے سے علم تھا۔

میں کلائیڈ سے سوال کرتی ہوں، کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ پہلا وار عیسیٰ علیہ السلام خود کریں گے؟ جواب دینے سے پہلے کلائیڈ اپنے چھ فٹ کے قامت میں سمٹ کر جواب دیتے ہیں: "جی ہاں! وہی کریں گے۔"

ہم ہی وہ نسل ہو سکتے ہیں جسے آرمیگاڈون دیکھنا مقدر ہے۔

صدر ریگن نے مبشر چرچ کے جم بیکر سے 1981ء میں بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا:

"ذرا سوچیے! کم سے کم بیس کروڑ سپاہی بلاد مشرق (Orient) سے ہوں گے اور کروڑوں مغرب سے ہوں گے۔ سلطنت روما کی تجدید نو کے بعد (یعنی مغربی یورپ) پھر عیسیٰ مسیح ان پر حملہ کریں گے جنہوں نے ان کے شہر یروشلم کو غارت کیا ہے۔ اس کے بعد وہ ان فوجوں پر حملہ کریں گے جو میگاڈون یا آرمیگاڈون کی وادی میں اکٹھا ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یروشلم سے دو سو میل تک اتنا خون بہے گا کہ وہ زمین سے گھوڑوں کی باگ کے برابر ہوگا۔ یہ ساری وادی جنگی سامان اور جانوروں اور انسانوں کے زندہ جسموں کے اور خون سے بھر جائے گی۔ ایسی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسے غیر انسانی عمل کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن اس دن خدا انسانی فطرت کو یہ اجازت دے دے گا

کہ اپنے آپ کو پوری طرح ظاہر کردے۔ دنیا کے سارے شہر لندن، پیرس، ٹوکیو، نیویارک، لاس اینجلز، شکاگو، سب صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائیں گے۔

(مصنف: ہال لینڈ سے)

The Gog-Magog War

یاجوج وماجوج کی جنگیں

آرمیگاڈون کی بڑی اور آخری جنگ سے پہلے، ہمارے مقدر میں کچھ اور لڑائیاں لکھی ہیں۔

کلائیڈ نے ہمیں بتایا کہ ان میں یاجوج وماجوج کے خلاف لڑائیاں شامل ہیں۔

بہر حال ہمیں آخری جنگِ عظیم کی جنگ سے پہلے جس میں عیسیٰ علیہ السلام، مسیحی دشمن طاقتوں کو نابود کریں گے اور یاجوج کی اس تباہی کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ چنانچہ اس کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اب فساد، عذاب اور تباہی کے سال ہمارے سامنے ہیں۔ اس کی خبر ہمیں حزقیل سے ملتی ہے۔ حزقیل سے ہمیں آئندہ زمانے میں بے دینوں کی تقدیر کا پتہ چلتا ہے۔ خدا نہ صرف اسرائیل کے ہمسایوں کا حوالہ دیتا ہے بلکہ دور افتادہ دشمنوں کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔

کلائیڈ نے صحیفے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: ''اور خدا کے الفاظ مجھ تک پہنچے، جو کہتا ہے اے فرزند آدم! یاجوج کے آگے ڈٹ کر کھڑا ہو جا۔'' کلائیڈ بہ اصرار کہتے ہیں کہ ''یاجوج'' سے مراد صرف روس ہو سکتا ہے۔

''لیکن'' میں درمیان میں بول پڑتی ہوں۔ ''حزقیل کے زمانے میں روس کہاں تھا؟''

لیکن خدا کو تو معلوم تھا کہ آئندہ ہوگا جو کچھ بھی آئندہ ہوگا خدا کو اس کے بارے میں پہلے سے علم ہے۔ پھر روس کلیتاً تباہ ہو جائے گا۔ حزقیل نے صاف کہہ دیا ہے کہ جب ''یاجوج'' اسرائیل کی سرزمین کے خلاف اٹھیں گے تو خدا کا عذاب حرکت میں آجائے گا اور حزقیل کا قول ہے کہ خدا اپنے عناد میں غیظ وغضب کی آگ سے ''ژالہ باری اور آتش فشاں کو جس میں خون شامل ہوگا، بھیجے گا۔''

لیکن میں سوال کرتی ہوں کہ کلائیڈ کے عقیدے کی رو سے روس، اسرائیل، پر حملہ آخر کیوں

کرے گا؟

''اپنی اشتراکیت کی وجہ سے!'' وہ خدا کے مخالف ہو گئے۔ یہ تو بہت پہلے پیش گوئی کر دی گئی تھی کہ وہ یہی کریں گے۔ جب چپ چاپ سنتی رہتی ہوں اور کلائیڈ مجھے وثوق سے بتا رہے ہیں کہ خدا اپنے غیظ وغضب کے تحت روس کی پانچ بٹہ چھ آبادی کو تباہ کر دے گا اور لاکھوں لاشیں پڑی ہوں گی جنہیں گدھ اور ہر طرح کے شکاری پرندے نوچ رہے ہوں گے۔

اب میں سوال کرتی ہوں کیا اسرائیل اس قابل ہے کہ ''یاجوج'' کو ٹھکانے لگا دے یعنی ''ماجوج'' یعنی روسی قوم کو؟

جی ہاں! اپنے حلیفوں کے ساتھ۔ جب روس حملہ کرے گا تو امریکا اور برطانیہ، اسرائیل کی مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اس کا علم آپ کو دانیال 11:30 سے ہوگا۔ کلائیڈ اس میں ایک عبارت کا حوالہ دیتے ہیں جس میں بائبل کے مقام ''چتم'' میں جہازوں کی موجودگی کا ذکر ہے۔ اس سے مراد قبرص ہے اور آپ جانتے ہیں کہ امریکا اور برطانیہ اسے اپنے جنگی بیڑوں کے لیے استعمال کرتے ہیں تا کہ اسرائیل کی مدد کو آسانی سے پہنچ جائیں۔ یہ بیڑے محض روس کی طرف نہیں جاتے بلکہ دوسرے ملکوں کی طرف بھی جاتے ہیں۔ شمال میں ان تمام ملکوں کی طرف جو اسرائیل پر حملہ آور ہوں۔ اس میں گومر کا خطہ بھی شامل ہے۔ یہ آج کے زمانے کا جرمن ہے۔ عظیم غارت گری کے دور میں یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

یہ سات سال خوفناک عذاب اور تقریباً مکمل تباہی کے ہوں گے۔ کلائیڈ سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ قتل وخون اور غارت گری کے ہوں گے تاہم یہ محض ابتدائیہ ہوگا۔ ایک آخری جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے کی تمہید۔

تاہم مجھے اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ وہ روس کو اور روسی باشندوں کو اسرائیل اور اس بنیاد پر خدا کا اول درجے کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ یہ بات میں نے انہیں بتا دی۔

کلائیڈ مجھے یقین دلاتے ہیں کہ ''کوئی امن نہیں ہوگا جب تک عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ ظہور نہیں کرتے اور جب تک وہ داؤد (David) کی کرسی پر نہیں بیٹھتے۔

شدید ابتلا(Tibulation)

کروز میزائل کی ایک بڑی تعداد کے استعمال سے کسی ملک کے تمام اہداف کو بیک وقت نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ جدید طریقہ جنگ میں یہ ایک نمایاں پیش رفت ہے۔ شدید ابتلا میں ڈالنے کے لیے یہ بالکل بروقت ہے۔ (لیون بٹیس پروجیکٹ فاسرواٹول میں)

یہ آزمائش اس ہولناکی سے زیادہ تباہ کن ہوگی۔ یہ ابتلا کا انتقام ہوگا۔ اس کے وجود سے منکر دنیا والوں سے انتقام، یہ آزمائش اسرائیل کے لیے ہوگی۔ (میکلین ورجینا بائبل چرچ کے پادری کن باؤ کا بیان)

چنانچہ بائبل ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ابتلا کے زمانے میں ایک ایٹمی جنگ ہوگی، انسانوں کی ایک تہائی تعداد آگ، دھوئیں اور لاوے سے ہلاک ہوجائے گی۔

آگ ان کو نگل جاتی ہے (Joel 2:3) کس کو؟ مثالی فوج کو، روسی فوج کو جو اسرائیل کے خلاف حرکت کرتی ہے۔ اس کے حد کی آگ ساری سرزمین کو نگل جائے گی (Zephaniah 1:18) ہوش میں آؤ۔ وہ دن آرہا ہے جو تنور کی طرح دہک رہا ہوگا (Malachi 4:1) اس طرح قدیم اور جدید دونوں صحیفے ایٹمی تباہی کے سلسلے میں متفقہ رائے دیتے ہیں۔ (ایونجل چرچ کے جیک دین اپیے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن کون؟

پادریوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جیرل فال ویل نے 15 جنوری 1999ء کو کوئی دو ہزار برس کی مجسم شیطنت پہ بنی تصویر پیش کی۔ یہ آج کا یہودی ہوسکتا ہے۔ یقیناً وہ یہودی ہے۔ فال ویل کنگس پورٹ، ٹین کے مقام پر ایونجل عقیدے کی کانفرنس میں پندرہ سو افراد سے خطاب کررہے تھے۔

اگر وہ حضرت عیسیٰ کی جعلی شبیہ ہوگی تو وہ یہودی ہی ہوگا۔ فال ویل نے کہا۔ ہمیں تو یہی

ایک بات دکھائی دیتی ہے۔ لاکھوں عیسائیوں کا یہ گہرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا ایک دشمن ہے اور وہ ہمیشہ رہا ہے۔

یہ پولیس کے ریٹائرڈ کاروباری کلائیڈ تھے جنہوں نے عیسیٰ دشمنی کے مقبول عقیدے کو سمجھنے میں میری مدد کی۔ عیسیٰ دشمنی کو درندہ بھی کہا جاتا ہے۔

(دانیال) کی کتاب 'دشمنِ عیسیٰ' کے بارے میں پیش گوئی کرتی ہے۔ یاد کیجیے خواب میں ایک تصغی سینگ کا نکل آنا، جو درندے کے بدن سے نکلتا ہے۔ پھر دانیال ہمیں بتاتے ہیں اس شہزادے کے بارے میں جو آئندہ آئے گا اور جب دانیال اس شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں جس نے ویرانی پیدا کی تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ "عیسیٰ دشمن" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے یروشلم کی عبادت گاہ کی حرمت پامال کی۔

کتاب انکشاف کے باب 13 میں ایک درندہ ملتا ہے، اس کے سات سر ہیں اور دس سینگ ہیں۔ اور وہ سمندر سے نکلتا ہے۔ اس میں ایک شیر، ایک ریچھ اور ایک تیندوے کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ پھر شیطان اس درندے کو زبردست اختیار دے دیتا ہے اور اسے اس قابل بنادیتا ہے کہ وہ روحانی شخصیتوں سے جنگ کرتا ہے اور حیران کن کام انجام دیتا ہے اور تمام قرابت داروں زبانوں اور قوموں پر حاوی ہوجاتا ہے۔

پھر میں پوچھتی ہوں، کیا وہ مصائب کے اس دور میں اقتدار حاصل کرلے گا؟

جی ہاں! مصائب کے اس زمانے میں وہ سات سال تک حکومت کرے گا۔

کلائیڈ ایک بار پھر مقدس صحیفے کے حوالے سے کہتا ہے۔ جی ہاں! وہ ہر شخص سے چاہتا ہے بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب، آزاد اور غلام سب سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ پر یا اپنی پیشانیوں پر ایک نشان رکھوالیں۔

یہاں عقل سے کام لینا ہوتا ہے جس کے پاس سوجھ بوجھ ہو اسے درندے کے اعداد جوڑ لینا چاہیے کیونکہ یہ ایک انسان کے اعداد ہوں گے اور یہ اعداد ہوں گے چھ سو اور چھیاسٹھ۔

میں کہتی ہوں کہ یہیں ہم کو درندے کا نشان ملتا ہے اور ہم 666 کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں۔

اب بھی مجھے یقین ہے کہ مسیحی دشمنوں کا ہراول آن پہنچا ہے۔ وہ مذکورہ اعداد کو مسیحی دشمن عالمگیر نظام کا ایک جز بنا رہے ہیں۔ ذرا گردوپیش پر نظر ڈالیے، آپ کو لاتعداد مصنوعات پر اور مالیاتی فارم پر تین ہندسے مل جائیں گے۔ آپ کو ساری دنیا میں 666 کا بڑھتا ہوا استعمال نظر آجائے گا۔

کلائیڈ مزید کہتے ہیں۔ مسیحی دشمن کے پاس طاقت حاصل کرنے کی جو اہلیت ہے، آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ مسیحی دشمن ایسا مقرر ہوگا کہ سننے والوں میں بجلی دوڑا دے گا اور انہیں حیران وششدر کر دے گا۔ وہ ان کی طاقت سے مسحور ہو جائیں گے اور اس کی شخصیت کے کرشمے سے بس اسی کے ہو جائیں گے۔ وہ حکمرانی کے نہایت حساس طریقے استعمال کرے گا۔ ہماری ٹیکنالوجی کی تمام تر ترقی کے باوجود وہ دنیا کو اس طرح اپنے قبضے میں لے لے گا کہ اس سے پہلے کی نسل کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ یہ مسیحی دشمن اولاً دس یورپی اقوام پر قبضہ جمالے گا۔

آپ کو یہ بات دانیال (آیت نمبر سات) میں مل جائے گی۔ دانیال ہمیں درندے کے دس سینگوں کے بارے میں بتاتے ہیں اب کہ یہ یورپی اقوام متحد ہو رہی ہیں۔ ہم ایک پیش گوئی پوری ہوتی دیکھ رہے ہیں۔ پہلے ہم 1948ء میں مغربی یورپی یونین کو 1949ء میں ناٹو کو اور 1957ء میں یورپی اکنامک کمیونٹی یا کامن مارکیٹ کو قائم ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ اس طرح گویا یہ سلطنت روما کا جدید انداز سے دوبارہ ظہور میں آنا ہے۔ یہ بائبل کی شہادت ہے۔ جس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم بائبل کی پیش گوئی کا سو فیصد حیرت ناک اور ناقابل یقین پہلو ثابت ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

مسیح دشمن یعنی دجال ہر ایک کو دھوکا دیتا ہے۔ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کلائیڈ کہتے ہیں دنیا کے سارے ہی لوگ اس کی غیر معمولی فراست، ذہانت اور حکمرانی کی اہلیت سے فریب میں آجاتے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ رومانیہ سے آرہا ہے۔ یہ سر سے پاؤں تک ایک بڑا کردار ہے۔

میں سوال کرتی ہوں کیا مسیح دشمن کوئی بھوت ہے یا انسان ہے؟

ہم ہی میں سے ایک ہے۔ سچ مچ کا آدمی! وہ کسی بھوت سے ملتا جلتا نہیں ہے۔ وہ ایک روحانی طاقت ہے۔ شیطان اس کی مدد کرتا ہے لیکن مسیح دشمن پورے طور پر ایک برا انسان ہے۔

اور میں کہتی ہوں کہ وہ دنیا پر اپنی بالادستی حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے دنیا کے لیڈروں کو اپنے قابو میں لیتا ہے۔

پھر وہ تو یہ بہت مشکل کام ہوگا؟

نہیں! آسان ہوگا۔ اس کی وضاحت آسان ہے۔ لیڈروں کے سیاسی نوعیت کے جغرافیائی مقاصد ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر محرک قوت کسی دیوی کی ہوتی ہے۔ اس معاملے میں مردود فرشتوں کی غیر انسانی ارواح ہیں۔ وہی فرشتے جنہوں نے خدا سے بغاوت کی اور لیوسفر (Lucifer) کے پیچھے چل پڑے۔ جب یہ شیطانی ارواح عالمی لیڈروں کے ذہنوں پر مسلط ہو جاتی ہیں تو یہی لیڈر اور ان کی عالمی افواج ان کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اس طرح کہ خود انہیں اس کا علم نہیں ہوتا۔

اپنے اطمینان کے لیے کہ آیا میں درست سمجھ رہی ہوں میں پوچھتی ہوں کہ آیا مسیح دشمن وہ ہے جو شیطان ارواح کو عالمی لیڈروں کے ذہنوں میں داخل کرتا ہے۔

کلائیڈ کہتے ہیں، ہاں بالکل یہی ہے۔

پھر تمام عالمی لیڈروں پر غلبہ قائم کرنے کے بعد وہ نظری طور پر تمام دنیا کی فوجوں پر بھی غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔

جی ہاں! کلائیڈ ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ مسیح دشمن، شر کی طاقتوں کو اپنی قیادت میں لے کر اور دنیا کی ساری فوجوں کے ساتھ آخری جنگ میں سامنے آئے گا۔ اس وقت جو تباہی آئے گی اور جو مصائب پیدا ہوں گے ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے جیسے جہنم پھٹ پڑے گی۔ ساری پچھلی جنگیں نہایت معمولی نظر آئیں گی۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے لاکھوں کروڑوں انسان صفحہ ہستی سے نابود ہو جائیں گے اس کے بعد خدا حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا اور وہ مسیح دشمن یعنی دجال کو ہلاک کر دیں گے اور ایک گھنٹے کے اندر ساری زمین تباہ و برباد ہو جائے گی۔ تو میں پوچھتی ہوں مسیح دشمن کا مطلب کیا یہ ہے کہ خدا ثابت کر دے کہ وہ اپنے بیٹے کے وسیلے سے بدی پر فتح پالے گا۔

کلائیڈ نے نہایت وثوق سے کہا بالکل یہی بات ہے۔

حالیہ واقعات میں اقدار کو شامل کرنا

مسیح دشمن یعنی دجال کے سلسلے میں عیسائیوں کے جوش و خروش کی بنیاد اس یقین پر ہے کہ تمام تر بدی کو کسی ایک فرد کے اندر تلاش کیا جا سکتا ہے اور اجتماعی انسانیت کے اندر بھی۔ سارے ہی معاشروں میں شیطنت کے بارے میں عقائد موجود ہیں لیکن یہ صرف عیسائیت میں ہے کہ ایک بدکردار فرد، اپنی تمام برائیوں سمیت اتنے بڑے کردار کی ادائیگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

دنیا کی تباہی کے بارے میں مسیحی عقیدہ، حالیہ واقعات کو اقدار سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ جس میں موجودہ تنازعے، نیکی اور بدی کی آخری فیصلہ کن جنگ کی وجہ بن جاتے ہیں۔ بعض عیسائیوں کے خیال میں مسیح دشمن کا وجود ایک ذریعہ ہے جس سے وہ ''نفرت اور خوف'' کا اظہار کرتے ہیں۔

مغربی مسیحیت میں جب تفرقہ پڑا تو ''مسیح دشمن'' (دجال) کے بارے میں تصورات اس طرح تقسیم ہوئے کہ کیتھولکس اور پروٹسٹنٹس دونوں نے ایک دوسرے کو مسیح دشمن قرار دے دیا۔ اگرچہ اس صدی کے اندر کیتھولکس کے لیے ''مسیح دشمن'' کا تصور بہت کم باقی رہ گیا ہے لیکن پروٹسٹنٹوں کے اندر اور خاص طور پر بنیاد پرستوں میں یہ عقیدہ بہت مضبوط ہے۔

Antichrist: Two Thosand Years of Human Fascination with Evil

مصنفہ: برنارڈ میگن (Bernard Meginn)

اینٹی کرائسٹ یا مسیح دجال کے بارے میں فال ویل کی رائے

مسیح دجال حضرت عیسیٰ کے خلاف دنیا بھر کی فوجوں کی قیادت کیوں کر رہا ہوگا؟

نمبر ایک: کیونکہ اسے خدا کی حاکمیت سے نفرت ہے۔ یہ جنگ ہمیشہ شیطان اور

عیسیٰ کے درمیان رہی ہے۔ یہی اصل مسئلہ ہے۔ دوئم: شیطان کی یہ خوش گمانی کہ یہ قومیں اس کے ساتھ ہوں گی۔ سوئم: حضرت عیسیٰ سے ان قوموں کی نفرت ''جان'' کے تصور میں حضرت عیسیٰ ایک انسان ہیں اور سفید گھوڑے پر سوار ہیں۔ پھر جان نے خواب میں ایک درندے کو دیکھا جوں جوں جنگ عظیم قریب آتی ہے اور لاکھوں انسان ہلاک ہوتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس درندے کو اس جھوٹے نبی کو، مسیح دشمن کو اس آگ کے تالاب میں پھینک دیں گے جس میں لاوا دہک رہا ہے۔

(ٹی وی کے ایونجل پادری جیرل فال ویل کا تبصرہ)

مسیح دجال، ٹیلی ویژن پر

تقدیر عالم کے بارے میں مسیح دجال کا اعلان، ایک عالمگیر پریس کانفرنس سے نشر ہوگا جسے سیٹلائٹ کے ذریعے ٹیلی ویژن پر دکھایا جائے گا۔

(ٹی وی پر ایونجل قیصر بلٹن ہسٹن)

مسیح دجال کون ہے؟

☆ مارٹن لوتھر کنگن نے 1530ء میں پوپ کو مسیح دجال قرار دیا تھا۔ جان کالون نے بھی اسی بیان سے رشتہ جوڑا اور زیادہ قریبی زمانے میں شمالی آئرلینڈ کے شعلہ بیان آئن پالسلی نے بھی یہی کہا۔

☆ زمانہ وسطیٰ میں بائبل کے غیر مفسرین نے کہا کہ مسیح دشمن یقیناً کوئی مسلمان ہوگا جبکہ دوسروں نے اسے یہودی قرار دیا۔

☆ 1940ء میں اکثر ہٹلر کی مثال دی گئی اس کے ساتھ ہی اسے ''یاجوج'' کا ساتھی گومر (Gomer) قرار دیا جس کا حوالہ حزقیل 38، جرمنی میں ملتا ہے۔

☆ اور زیادہ حمایت مسولینی کے نام کی گئی کیونکہ وہ روم کا حکمران تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سلطنت رومائی تجدید کرنا چاہتا تھا۔

☆ اکثر اسٹالن کی مثال دی گئی اور صحیفے سے حوالہ بھی دیا گیا اور یاجوج سے روس کو ملایا گیا۔ چند سال گزرنے کے بعد اسٹالن کی جگہ گورباچوف نے لے لی۔

☆ جدید زمانے میں عراق کے صدام حسین پر زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ کچھ لوگ انہیں سابق حکمران نیوکدنزر (Nebuchadnezzer) سے ملاتے ہیں جس کا قدیم دارالحکومت بابل تھا۔

فضا میں جا کر استقبالِ مسیح (Rapture) کیا ہے؟

فال ویل کے اس سیاحتی دورے میں، مَیں نے دیکھا کہ وہ بنیاد پرستی جس کے ساتھ میں پل کر بڑی ہوئی وہ ہمارے ہم سفر لوگوں کے عقیدے نظام سے مختلف ہے۔

اصل بات یہ کہ فال ویل کے مقلد ''نجات فضا میں'' (Rapture) کے بارے میں، جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے، اس سے مختلف اور بالکل نیا تصور رکھتے ہیں۔

مجھے اپنے ایک ہم سفر بریڈ سے اسے سمجھنے میں بہت مدد ملی۔

بریڈ ایک مالی منتظم ہیں۔ انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی اپنا سرمایہ نہایت نفع بخش طریقے سے لگانے میں ان کی مدد کی ہے۔ وہ نہایت شائستہ اور خوش لباس شخص ہیں۔ وہ ملائم لیکن بھاری آواز میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا سر سرخ بالوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ مونچھیں اور ڈاڑھی صفائی سے ترشی ہوئی ہیں۔ اپنے ذاتی مقاصد کے بارے میں وہ آزادی سے باتیں کرتے ہیں۔ ''آدمی کو اپنا مالک خود ہونا چاہیے۔'' یہ ان کا قول ہے۔ ہم جنس پرستوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں: ''میرا خیال ہے وہ بیمار لوگ ہیں۔''

ہمارے درمیان بحث بیشتر وقت کھانے پر ہوتی یا پھر بس کے طویل سفر کے دوران، ہماری گفتگو کا موضوع بائبل ہوتی اور چرچ کے ساتھ بریڈ کی وابستگی، چرچ ان کے لیے خدا کے ایوان نمایندگان کی طرح ہیں۔

بریڈ ایک روز مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر آپ پیش گوئیوں کو سمجھتی ہیں تو آپ دیکھ سکتی ہیں کہ خدا نے انسانی تاریخ کو واضح طور پر متعین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ان ادوار کو ''نظام قدرت'' (Dispensations) کہا گیا ہے۔

''ادوار کے درمیان وقت کی اس تقسیم سے اور ''نظامِ قدرت'' سے ہمیں ایک لفظ ملتا ہے (نظامِ قدرت کو چلانے والے) (Dispensationalist) مجھے یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک (Dispensationalist) ہوں۔ یقیناً جیری فال ویل اور ہمارے بیشتر مبلغ جو آج قومی سطح پر جانے جاتے ہیں، ان میں استثنیٰ بہت کم ہے۔ مجھے بائبل کو سمجھنے میں بہت مشکل پیش آتی تھی لیکن اب یہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ وہ اس لیے کہ میں نے وقت کے ان ادوار کو سمجھنے کا قرینہ سیکھ لیا ہے۔''

ہم کو ہر دور میں قدرت کے تمام کاموں میں (Dispensation) میں ایک ترقی پذیر نظام ملتا ہے۔ بریڈ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ اس منصوبے کے سلسلے میں ہماری ساری سوجھ بوجھ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا انسانیت کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتا ہے۔

بریڈ کہتے ہیں: خدا ہمارا امتحان لیتا ہے، وقت کے ہر دور میں، خدا انسان کا امتحان لیتا ہے کہ وہ اس کا کتنا تابع دار ہے۔

میں پوچھتی ہوں: اس کی تابع داری؟ یعنی کیا حضرت عیسیٰ کے احکام کی اطاعت؟

نہیں! ان امتحانوں کا تعلق انسان کی کسی اور کے ساتھ اطاعت سے ہے۔ رضائے الٰہی کا ایک مخصوص اظہار۔ ان کا تعلق اسرائیل سے ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ خدا کو یہ توقع تھی کہ یہودی اپنے گھر واپس پہنچ جائیں گے۔ یہ پہلا قدم تھا۔ دوئم یہ کہ ایک یہودی ریاست کی تشکیل ہوگی اور تیسری بات یہ کہ ہم مسیحیوں کو چاہیے کہ اپنی کتاب (بائبل) کی تبلیغ تمام قوموں میں کریں اور ان میں یہودی بھی شامل ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ چوتھا واقعہ کسی روز ابتلا (Rapture) کی صورت میں سامنے آئے گا۔

میں نے پوچھا: کیا شدید ابتلا (Tibulation) سے پہلے؟ بریڈ بڑے شدومد سے اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ میں کہتی ہوں لیکن بیشتر مسیحی پادریوں نے اس میں یہی سکھایا ہے کہ ابتلا کا زمانہ شدید مصیبتوں سے گزرنے کے بعد آئے گا۔

شروع دور کے مسیحیوں نے غلط سمجھا تھا۔ بریڈ نے کہا اس سے پہلے کہ جنگیں اور عذاب دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے اور اپنے سچے ماننے والوں کو اُٹھا کر لے جائیں گے۔ سچے ماننے والے۔ ہمیں اس سے پہلے مرنا نہیں ہوگا۔ ہمارے درمیان وہ افراد جو دوبارہ پیدا ہوں گے وہ شدید عذاب، سالہا سال کی جنگ اور تباہی سے آزاد ہوں گے۔

میں یہ اقرار کرتی ہوں کہ عذاب سے پہلے کے مذہبی فلسفے میں جو زبردست کشش ہے میں اسے سمجھتی ہوں اس میں مقلدوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ انہیں ہولناک تباہی، شیطانی قوتوں کی جنگ یاجوج وماجوج (Gog Magog) اور آرمیگاڈون کا سامنا کرنے کے لیے یہاں انتظار کرنا نہیں پڑے گا۔

نظام قدرت اور نجات

(Dispensationalism & The Rapture)

یہ نیا نظریہ جو ایک مقبول عام تصور کے طور پر جدید بنیاد پرستی کے اندر دو سو سال سے کچھ کم عرصہ پہلے اُبھر کر سامنے آیا اسے سمجھنے کے لیے فضا میں نجات (Rapture) کی حیثیت کلید کی ہے اور یہ ایک جزو لازم ہے۔

حضرت عیسیٰ کے پیروکار ایک ہزار سو برس تک اس عقیدے پر کاربند رہے کہ حضرت عیسیٰ واپس آئیں گے بیشتر لوگوں نے صحیفوں کے حوالے دیے کہ مصائب و آلام کی ایک مدت گزارنے کے بعد ایسا ہوگا۔

مقدس صحیفے کی ایک نئی تفسیر پیش کرنے کے ذمہ دار دو افراد تھے۔ اس صحیفے کو قدرت کی کارکردگی (Dispensationalism) کہا گیا ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ اس عذاب کی مدت سے پہلے جو مسیحی بچ رہے ہوں گے، انہیں نجات حاصل ہوگی۔

برطانوی چرچ کے ایک سابق پادری جان ڈربی مذکورہ عقیدے کے علم بردار اور مبلغ بن گئے۔ انہوں نے یورپ کا طویل دورہ کیا۔ اس کے بعد امریکا کے تبلیغی دورے پر گئے۔ نئی بائبل اور پروفیسی کانفرنس کی تحریک سے متاثر رہنماؤں کے ساتھ انہوں نے ملاقاتیں کیں جس سے شمالی امریکا میں 1875ء اور 1920ء کے درمیانی عرصہ میں ایونجلی اور بنیاد پرستی کی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔

ڈربی کا ایونجیلکل لیڈروں مثلاً پر سبائرین عقیدے کے حامل فلاڈیلفیا کے جیمز بروک، شکاگو کے ڈوائٹ ایل موڈی، شروع زمانے کے ایونجیلکل مصنف ولیم ای بلیک اسٹون اور سائرس اسکوفیلڈ کے ساتھ، جنہوں نے اسکوفیلڈ ریفرنس بائبل لکھی، براہِ راست تعلق اور ان پر خاصا اثر بھی تھا۔

1800ء کے وسطی زمانے تک جب تک ڈربی اور سکوفیلڈ کی تبلیغ جاری تھی، کسی نے بھی خواہ وہ کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ۔ ان سے بچ نکلنے کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

جیری فال ویل، پیٹ رابرٹسن، جیک دین امپی اور دوسرے (Dispensationalism) ان لوگوں کے لیے کشش رکھتے ہیں جو اس امر کی یقین دہانی چاہتے ہیں کہ وہ مصائب کی طویل مدت کا ایک گھنٹہ تو کیا، ایک لمحہ بھی گزارنے کے روادار نہیں ہوں گے۔

(ڈاکٹر جیمز ایم ڈن ہلسٹ جوائنٹ کمیٹی واشنگٹن ڈی سی)

جی ہاں! بریڈ نے اس سے اتفاق کیا۔

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ہم میں سے وہ لوگ جو بچ رہیں گے انہیں آخری دنوں میں ایک پل کی اذیت بھی جھیلنی نہیں پڑے گی۔ میں نے آسمانی نجات (Rapture) کے بارے میں فال ویل کے دوسرے پیروکاروں سے بھی بات کی۔ ان میں کلائیڈ بھی شامل تھے۔ کلائیڈ کہتے ہیں: مقدس صحیفے میں فضائی نجات (Rapture) کا لفظ بجائے خود موجود نہیں۔ معلوم ہوتا

ہے کہ کلائیڈ نے پرانے اور نئے صحیفے (Testament) کو حفظ کرلیا ہے۔ وہ وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں لیکن اس کے معنی ہیں: ''پالینا'' (Catching Up) یہ اس منظر کا حوالہ ہے جسے (First Thessalonians) میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ یوں ہے۔ مسیح خود آسمانوں سے زمین پر باآواز بلند فرشتے کی آواز میں پکارتا ہوا اُترے گا اور خدا کا نقارہ اس کے ساتھ ہوگا۔ پھر جتنے مسیحی مرچکے ہیں زندہ ہوجائیں گے۔ پھر ہم سب جو اس وقت زندہ ہوں گے سب ان کے ساتھ مل جائیں گے اور فضاؤں میں مسیح سے ملاقات کی خاطر بادلوں میں پرواز کرتے ہوئے بلند ہوں گے۔ چنانچہ میں کلائیڈ سے سوال کرتی ہوں: وہ کیا توقع کرتے ہیں؟ کیا کسی وقت ان کی بھی نجات اسی طرح ہوگی؟

بالکل ٹھیک ہے، نجات کسی بھی وقت ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دوسرا واقعہ ہوگا اور اس میں مبتلا لاکھوں افراد ہوں گے۔ اب میں پوچھتی ہوں کیا آپ کے (Dispensationalist) عقائد اور نجات (Rapture) کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ عیسیٰ دوبارہ آئیں گے۔

جی ہاں! ایک طرح سے یہ ہوگا۔ اپنے مریدوں کو لینے کے لیے وہ دوسری بار آئیں گے اور پھر وہ آخری جنگِ عظیم لڑنے کے لیے آرمیگاڈون آئیں گے لیکن نجات کے لیے وہ کتنی بار آئیں گے اسے گننے کی ضرورت نہیں یہ عمل وہ اوپر آسمانوں میں انجام دیں گے۔

میں سوال کرتی ہوں: عیسیٰ انتخاب کس طرح کریں گے؟

گرینڈ اسٹینڈ سیٹس (Grandstand Seats)

بلند و بالا نشستیں

خدا کا شکر ہے کہ میں جنت کی بلند و بالا نشستوں سے آرمیگاڈون کی جنگ کا منظر دیکھوں گا۔ وہ سب لوگ جو دوبارہ پیدا ہوں گے وہ آرمیگاڈون کی جنگ دیکھیں گے لیکن یہ منظر آسمانوں سے نظر آئے گا۔

(کارل میلنٹائر۔ کرسچن بیکن 22 جون 1965ء)

فلوریڈا میں، مَیں ایک ہمسایے کے ساتھ گالف کھیلتا ہوں جس نے حضرت عیسیٰ کو اپنا نجات دہندہ تسلیم نہیں کیا۔ میں اس سے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ عیسیٰ اس کو عذاب سے بچا سکتے ہیں اور ہم اسے خبردار کرتے ہیں کہ اب وقت آخر آگیا ہے۔ فرسٹ جان (First John) میں ہم یہ پڑھتے ہیں کہ بچو بس یہ آخری ساعت ہے۔۔۔۔ اور اس سلسلے میں خود حضرت عیسیٰ کے الفاظ ہیں۔ ہاں! میں بہت جلد آرہا ہوں۔

ایک مثال کے طور پر جیسے میں اپنے دوست کے ساتھ جو نجات شدہ (Saved) نہیں ہے، میں کار میں جارہا ہوں اور وہی آسمانی نجات (Rapture) کا عمل رونما ہوتا ہے جو میرے حساب سے کسی بھی وقت ہوسکتا ہے اور میں کار سے باہر نکل کر فضا میں اُٹھ جاتا ہوں۔ کار قابو سے باہر ہوجاتی ہے وہ ٹکراتی ہے اور میرا دوست ہلاک ہوجاتا ہے۔ کلائیڈ کہتے ہیں کہ میری تو نجات ہوجائے گی لیکن ان کے دوست کی نہیں! اور اس فقرے کا اضافہ کرتے ہیں کہ میں اپنے نجات دہندہ کے ساتھ ملاقات کے خیال سے بہت خوش ہوتا ہوں۔

کلائیڈ نے اس سے پہلے مجھے بتایا تھا کہ دو سال قبل ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ میں پوچھتی ہوں کیا وہ خاتون اور خاندان کے لوگ محفوظ رہ گئے تھے؟

نہیں! اور یہ بات مجھے پریشان رکھتی ہے۔ مرنے سے پہلے نہ تو میری بیوی نے، نہ میرے بیٹے اور اس کے بچوں نے، کسی نے بھی حضرت عیسیٰ کو اپنا نجات دہندہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں تو جنت میں ہوں اور یہ کہتے ہوئے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے کہ وہ لوگ وہاں نہیں نظر آئیں گے۔

کلائیڈ نجات شدہ (Saved) اور غیر نجات شدہ (Unsaved) دونوں کے بارے میں اطمینان سے گفتگو کررہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے انہیں یقین ہے کہ خدا بیشتر مرنے والوں کو اور جو فی الوقت زندہ ہیں ان کو اور جو دوبارہ پیدا نہ ہوں گے ان کو بھی یہی سزا دے گا جو ان کے لیے دائمی ہوگی۔

فضائی نجات (Rapture) کا مستحق کون ہوگا؟

اگر کوئی فرد نجات شدہ (Saved) ہونے کی بنا پر آخری زمانے (End Times) کے عذاب سے بچ سکتا ہے تو اس کے لیے دوبارہ پیدائش (Born Again) کی بات بہت اہم ہو جاتی ہے لیکن یہ کس طرح ہوتا ہے۔

عام طور پر اگر میں یا آپ دوسروں سے یہ کہتے ہیں کہ میں عیسائی ہوں، مسلمان، بدھ یا یہودی ہوں تو آپ وہی کچھ ہو جاتے ہیں۔ کم از کم دوسرے لوگ آپ کو وہی تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح ہم عام طور پر ان لوگوں کے بارے میں سوچتے ہیں جو نجات شدہ (Saved) ہیں اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔

جیری فال ویل کہتا ہے کہ وہ ہے۔ اسی طرح پیٹ رابرٹسن، ہال لنڈسے، جمی سواگرٹ، تھامس ڈی آئس اور سب بنیاد پرست ایونجلسٹ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کوسٹامیسا (کیلی فورنیا) میں کیولری چیپل میں پادری چک اسمتھ اکثر اپنے محفوظ کیے جانے کی بات کرتے ہیں۔ یہی بات چک ملر کہتے ہیں جو ایک کاروباری شخص اور کمپیوٹر کے ماہر ہیں۔ اسی طرح کا دعویٰ ٹرنٹی براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک کے جیک وان امپی اور کولوریڈو کے جیمس ڈاکسن کرتے ہیں جن کی آواز مذہبی نشریات میں سب سے زیادہ سنی جاتی ہے۔

جمی کارٹر، رونالڈ ریگن اور جارج بش، یہ سب صدر اپنی پیدائش نو (Born Again) کے تجربات کا حوالہ دے چکے ہیں اس طرح واٹر گیٹ کی سازش تیار کرنے والے چارلس کولسن، بلیک پینتھر پارٹی کے جلاوطن لیڈر ایلڈرج کلیور، ہسلر میگزین کے پبلشر لیری فلائنٹ، اوریگن کے سابق سینیٹر مارک ہیٹ فیلڈ، اولیور نارتھ، آزاد کونسل کینتھ اسٹار اور بہت سے قدامت پسند ری پبلکن لیڈر، جن میں ٹرنٹ لاٹ اور ٹام ڈیلے شامل ہیں، یہ دعویٰ کر چکے ہیں۔

1986ء میں جنوبی ریاست متحدہ امریکا کے باشندوں کی 48 فیصد تعداد نے اپنے آپ کو (Born Again) عیسائی بتایا تھا۔ دوسرے علاقوں میں امریکیوں کی قدرے کم تعداد نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ ان تمام میں سماجی اور اقتصادی طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ ایک رائے شماری سے معلوم ہوا کہ امریکی کالجوں کے گریجویٹس کی 50 فیصد تعداد حضرت عیسیٰ کی واپسی کی منتظر ہے۔ 1989ء میں پولسٹر گیلپ اور کیسٹلی نے یہ مشاہدہ کیا کہ مغربی دنیا میں امریکا ان معنوں میں سب سے انوکھا ملک ہے جہاں ایک طرف تو تعلیم کی سطح بہت اعلیٰ ہے اور اتنی ہی اونچی سطح مذہبی عقیدے اور مذہبی سرگرمیوں کی ہے۔

امریکا کے ایک نہایت منفرد مفکر ولیم جیمس نے اپنی کتاب متنوع مذہبی تجربات (The Varieties of Religious Experiences) میں لکھا ہے کہ ایک مذہبی تجربہ جو بظاہر کسی یقین کی توثیق کرتا ہے، ہمیشہ انفرادی اور انتہائی ذاتی ہوتا ہے۔ (Born Again) کے تجربے کو شاید زندگی کی کہانیوں سے بہتر طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔

میرا اپنا تجربہ

میں ویسٹ ٹیکساس کے ایک اونچے اور خشک میدانی علاقے میں، جہاں تند و تیز ہوائیں چلتی رہتی تھیں، پیدا ہوئی۔ بائبل کی اصطلاحات اور تصورات کو میں نے اپنی ذات کے اندر سمو لیا تھا اور وہ میری سوچ کا حصہ بن گئے تھے۔ چنانچہ میں ایک بنیاد پرست مسیحی بن گئی تھی۔ خدا کا ہر لفظ میری تعلیم کے مطابق بائبل کے توسط سے آتا ہے جس میں ترجمے اور ٹائپ کی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ میں نے بار بار یہ سنا کہ بائبل غلطیوں سے پاک ہے اور اس میں کسی طرح کی وضاحت ممکن نہیں۔ ایک بچی ہونے کی بنا پر میں الفاظ کے معنی نہیں جانتی تھی لیکن وہ سب میرے حافظے میں محفوظ ہو چکے تھے۔

ان برسوں میں جب میں بڑی ہو رہی تھی کسی شخص کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جیسا کہ میرے والد کہتے تھے کہ کسی اجنبی شخص سے آمنا سامنا ہو جائے تو ابتدائی گفتگو میں سلام دعا کے

بعد تم یہ پوچھو کہ کیا آپ عیسائی ہیں؟ کیا آپ نجات شدہ (Saved) ہیں؟

ایک بار گرمی کے موسم میں جبکہ میری عمر نو سال تھی، میں آرلنگٹن میں اپنے نانا سے ملنے گئی۔ ڈلاس اور فورٹ ورتھ کے وسط میں واقع آرلنگٹن اس زمانے میں ایک خاموش سا گاؤں تھا اور اتنی تھوڑی سی آبادی تھی کہ سب ایک دوسرے کو جانتے تھے۔

میرے دادا شینکس جو ایک زبردست تجدد پسند تھے اور انہیں گشتی مبلغ کے طور پر برادر ٹرنر کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ گاؤں میں پہنچے تو اپنا خیمہ کھڑا کر دیا اور پورے ایک ہفتے تبلیغ کرتے رہے۔ دادی اماں اور میں ہر رات ان کے درس میں شریک ہوتے۔ برادر ٹرنر کے خطبوں میں آگ اور دہکتے ہوئے لاوے کا ذکر ہوتا۔ ہمیں یہ بتایا جاتا کہ دنیا کی تقسیم برے اور اچھے لوگوں کے درمیان ہو گئی ہے۔ برے لوگ جہنم میں جائیں گے اور صرف پیدائش نو (Born Again) عیسائی دائمی آگ میں جلنے سے محفوظ رہیں گے اس لیے انہوں نے تنبیہ کی کہ توبہ کرو یا غارت ہو جاؤ۔

انہیں سنتے وقت، ہم سب دم بخود رہتے تھے۔ چونکہ کوئی ریڈیو، ٹیلی ویژن یا کوئی عام ثقافتی تقریب نہیں ہوتی تھی اس لیے ہم بڑی حد تک برادر ٹرنر جیسے تجدد پسندوں پر اپنی فہم اور معلومات کے لیے انحصار کرتے تھے۔

ہر رات، مجھے ایک گہرے تجسس کا تجربہ ہوتا اور کچھ خوف بھی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ پھر تجدید (Revival) کی آخری رات آئی۔ برادر ٹرنر نے ایک بھاری بھر کم بائبل کو اپنے بائیں ہاتھ میں اُٹھایا۔ خدا کا کلام براہِ راست پیش کیا اور آخر میں ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے آگے اپنے اعمال کا علانیہ اعتراف نہیں کیا تھا، کہا کہ آگے آئیں۔ اس وقت مسز ٹرپلٹ نے پیانو پر ایک مشہور مناجات کی دھن بجانی شروع کی۔ ہم گانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ دادی اماں نے اور میں نے مناجات کی کتاب اُٹھا لی لیکن اس کے الفاظ تو ہمیں زبانی یاد تھے۔

میں یہاں حاضر ہوں، میرے پاس کوئی عذر نہیں۔

"آپ کا خون، میرے ہی لیے بہایا گیا تھا۔"

"اب آپ کی ہدایت ہے کہ میں آپ کے حضور پیش ہو جاؤں۔"

"ہم جو خدا کی بھیڑیں ہیں، آپ کے آگے حاضر ہیں، حاضر ہیں۔"

کوئی فرد آگے نہیں بڑھا۔ برادر ٹرنر نے ہم سے کہا کہ سب بیٹھ جاؤ۔ مسز ٹرپلٹ پیانو بجاتی رہیں اور ہم سر جھکائے بیٹھے رہے۔ جو لوگ جانتے تھے کہ وہ نجات شدہ (Saved) ہیں، ان سے ہاتھ اُٹھوانے کے بعد، انہوں نے ان سے خطاب کیا جنہوں نے ہاتھ نہیں اُٹھائے تھے کہ آگے آئیں اور خود کو نجات شدہ (Saved) کروالیں۔

لگتا تھا کہ ان لمحات میں ہر شخص میرے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ہر ایک دھیمی آواز میں گا رہا تھا۔

"جیسا کہ میں ہوں، بس ہوں
اور مجھے انتظار بھی نہیں کہ
اپنی روح کو سیاہی کے دھبے سے بچالوں۔"

اچانک جیسے میرے وجود سے باہر کسی طاقت نے مجھے اُٹھا دیا۔ میں اپنی بینچ سے اٹھی اور آگے بڑھی۔ بالکل اکیلی جہاں مبشر کھڑا تھا۔ اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور پھر فوراً بعد میری دادی نے ہمسایوں نے اور دوستوں نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ میں اپنے اندر سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ آنسو میرے چہرے پر بہتے جا رہے تھے۔ دادی نے میرے والدین کو خط لکھا کہ میں نجات (Saved) پا چکی ہوں اور پھر موسم گرما کے آخر میں، میں لبوک (Lubbock) واپس ہو گئی۔

میرے والد کا تجربہ

بچپن میں اکثر اپنے والد سے سنا کرتی تھی۔ جب وہ کاؤ بوائے ہوا کرتے تھے اور پھر وہ مویشی ہنکانے لگے۔ وہ اس وقت تیرہ سال کے تھے۔ اس عمر میں انہوں نے اپنے عقیدے کی تبدیلی (Conversion) کا واقعہ سنایا جسے انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا تھا۔ اس کا نام ہے: (Cowboys & Cattleland)۔

تیرہ سال کی عمر میں مجھ پر ایک ایسی واردات گزری جس سے میری آیندہ زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اسکول سے واپسی میں جب میں نے برآمدے کے زینے پر اپنا پہلا قدم رکھا تو ایک آواز نے مجھ سے کہا (ایسی آواز جو سنائی نہ دے لیکن لگتا یہی تھا کہ وہ تیز تھی) اس وقت کے بعد سے تم اپنے ہر عمل کے لیے جواب دہ ہوگے۔ مجھ سے کلام کیوں نہیں کرتے؟ سقراط نے کہا تھا کہ اسے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ اپنی آواز سے سچا تھا اور ان کے لیے اس نے اپنی جان دے دی۔ بپٹسٹ (Baptist John) نے کہا تھا۔ میں صرف ایک آواز ہوں اور وہ دلیر شخص اپنی آواز کی صداقت کے لیے جان دے بیٹھے۔ جون آف آرک کے وجود میں بھی آوازیں تھیں اور ان کی آوازوں کی صداقت کے عوض اسے وہ زریں تاج ملا جس کی چمک دمک ہمیشہ باقی رہے گی۔ تیرہ سال کی عمر میں مجھے جو یقین حاصل ہوا وہ ایک محاسب کی طرح میرے ساتھ رہا یہاں تک کہ 1874ء کا سال آگیا۔ اس سال میں میرے پاس ایک ویگن تھی اور ایک ٹیم بھی تھی اور میں اپنی گزراوقات کے لیے فالتو اوقات میں ڈلس سے آیا ہوا سامان ڈھویا کرتا تھا۔

ایک رات کوئی آٹھ بجے میں اپنے برآمدے کے آگے بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے ایک میتھوڈسٹ مبلغ کی آواز سنائی دی جو گنہگاروں کو تاکید کر رہا تھا کہ عبادت گاہ میں اعتراف کے لیے آئیں۔ جلسہ ایک گھنے درخت کے نیچے ہو رہا تھا۔ اس ایک خاموش آواز کے سوا، ایسی باتیں مجھ سے کسی نے نہیں کی تھیں۔ اچانک میرے اندر یقین کی ایک زبردست قوت بیدار ہوئی کہ مجھے اس درخت کے نیچے جانا اور عبادت کی جگہ پر پہنچنا چاہیے۔ یہ خواہش بہت شدید تھی لیکن میں نہیں گیا۔

میں سونے کے لیے بستر میں چلا گیا۔ اس وقت میں سوچ رہا تھا کہ صبح اُٹھ کر ویگن باہر نکالوں گا۔ اپنے ساتھیوں کو ساتھ لوں گا اور سامان ڈھونے کی خاطر ڈلاس جاؤں گا۔ مجھے یقین تھا کہ میری واپسی تک میٹنگ ختم ہو چکی ہوگی۔ چونکہ میرا کام ذہن پر سوار تھا اس لیے وہ بات ذہن سے محو ہو گئی تھی یہاں تک کہ پانچ دن بعد میں واپس ہوا۔ اندھیرا ہو گیا تھا جب میں گھر میں اصطبل پہنچا۔ جانوروں کو چارہ دیا پھر باورچی خانے میں جا کر رات کا کھانا کھایا اور ٹہلتا ہوا برآمدے سے باہر نکلا۔ میں اس خیال سے فخر محسوس کر رہا تھا کہ ایک نیک نیت آدمی کی طرح میں

ایمان داری کا کام کر رہا ہوں۔ پھر وہی آواز مجھے سنائی دی۔ میں جی جان سے دوڑا۔ میں عبادت کی جگہ پر پہنچ کر گر پڑا اور خوف، رنج و اندوہ اور مایوسی کی حالت میں دو راتیں وہیں پڑا رہا۔ پھر جب میری روح پر روشنی اُتری تو خوشی کے ساتھ ایک نیا دن طلوع ہوا۔

دوسرے دن ایسا لگا جیسے سورج نے میرے گرد ایک خلائی ہالہ بنا رکھا ہے۔ میں پھولوں، لوگوں اور قدرت کے مظاہر سے اس طرح محبت کرنے لگا کہ پہلے ایسی محبت نہیں کی تھی۔ البتہ ایک بات میں جانتا ہوں۔ 1874ء کی اس خوبصورت رات میں، مَیں قدرت کی تاریکی سے نکل کر ایک نئے وجود کی دلآویز روشنی میں داخل ہو گیا تھا۔

جاپانی تجربہ

ایک تجربہ پیدائش نو (Born Again) کا میرے والد کا، میرا اپنا تجربہ اور ایسی ہی کہانیاں میرے جاننے والوں کی، یہ سب میرے ماحول کا حصہ تھیں۔ یہ وہ واقعات تھے، جنہیں میں اب طرزِ زندگی کا حصہ سمجھتی تھی۔ میرے لیے وہ ایسی ہی حقیقی تھیں جیسے دھوپ اور بارش یہ سب حصہ تھا۔ ان وارداتوں کا جو دوسروں پر گزریں، کم از کم ان لوگوں پر جنہیں میں جانتی تھی۔

ایک روز میں نے اپنے آپ کو جاپان میں ایک مصنف کے طور پر اپنی جگہ بنانے کے لیے کوشاں دیکھا۔ یہ دوسری عالمی جنگ کے فوری بعد کا واقعہ ہے۔ جاپانی بہت غریب تھے اور ان میں سے ہر ایک ایک ہی جیسا لباس پہنے ہوتا۔ پاجامہ اور اس طرح کا کوئی لباس۔ بل گراہم ٹوکیو آیا، یہ اس زمانے کی بات ہے جب جاپان میں ٹی وی نہیں آیا تھا اور جاپانی امریکا اور امریکیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ اتنا ہی جانتے تھے کہ ان پر ایٹم بم گرایا گیا تھا اور انہیں جنگ میں شکست ہوئی تھی۔ وہ بہرحال ہمارے بارے میں جاننے کے مشتاق رہتے تھے کہ ہم کیا ہیں اور ہمارے عقیدے کیا ہیں؟

ایک بہت بڑے آڈیٹوریم میں گراہم نے ایک ترجمان کی مدد سے تقریر کی۔ اس جگہ کوئی دس ہزار کا مجمع تھا اور جہاں تک مجھے نظر آتا تھا، ان میں ایک ہی امریکی تھی۔ میں نے ایک بڑا

ہجوم دیکھا، گردوپیش نظر ڈالی، کالے بالوں اور سیاہ آنکھوں والے سیاہ پوش لوگوں کا ہجوم۔

جب تک بل گراہم ٹوکیو نہیں آیا تھا کسی نے حیاتِ نو (Born Again) کا نام بھی نہیں سنا تھا اور ادھر ٹیکساس میں میرے خاندان کے افراد اور دوستوں کے برعکس کسی نے نجات شدہ (Saved) ہونے خواہش بھی نہیں کی تھی۔

میں نے اپنے اور اپنے والد کے تجربے کی کہانی آپ کو یہ دیکھنے کے لیے سنادی کہ یہ ہماری طرح کا مذہب تھا لیکن بل گراہم نے ٹوکیو میں جو جدوجہد شروع کی تھی اسے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ہماری بائبل کا ترجمہ ابھی جاپان تک نہیں پہنچا۔ تاہم حالیہ برس میں صورت حال بدل گئی ہے۔ مبلغوں نے ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے پر حملہ کردیا ہے۔ رائس یونیورسٹی میں سوشیالوجی کے پروفیسر ولیم مارٹن کے بقول ''بنیاد پرست اور ایونجلک مبلغ جن میں (Pentecostals) بھی شامل ہیں، غیر ملکوں میں سرگرم پروٹسٹنٹ مشنریوں کی کل تعداد کے نوے فیصد کے برابر ہیں۔

براڈ اور ان کی اسکوفیلڈ بائبل

ارضِ مقدس کی اس سیاحت میں جس کا اہتمام فال ویل نے کیا تھا، میں ہر صبح یہ دیکھتی ہوں کہ براڈ جب بھی بس کے اندر ہم سے ملتے ہیں، ان کے ہاتھ میں بائبل ہوتی ہے جس کے لیے وہ کہتے ہیں کہ ''اسکوفیلڈ'' کی ریفرنس بائبل ہے۔

ایک روز جب ہم اکٹھے بیٹھے تھے، میں ان سے پوچھتی ہوں کہ کیا اس کی انجیل کنگ جیمس کی بائبل سے مختلف ہے؟ براڈ وضاحت کرتے ہیں: ''اسکوفیلڈ'' ہمیں ان حصوں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں جو شاید پوری طرح واضح نہ ہوں۔ پھر وہ فوراً بائبل کا اپنا نسخہ کھولتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ بائبل کے متن کے حواشی پر اپنی تفسیریں درج کرکے انہوں نے اپنی ایک بائبل لکھ دی ہے۔

براڈ چونکہ (Born Again) عیسائی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بائبل غلطیوں سے یکسر پاک ہے اور اس میں غلطی ہو ہی نہیں سکتی تو پھر اسکوفیلڈ کے الفاظ کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو

بائبل کے اندر داخل کیے گئے؟ میں کہتی ہوں اسے متن کے برابر تو مصدقہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیا براڈ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حواشی کی عبارت میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی؟

براڈ کہتے ہیں اسکوفیلڈ ساری باتوں کو شفاف کردیتے ہیں دوسروں نے پیش گوئی کی تھی کہ آخری دنوں میں یہودی فلسطین واپس پہنچ جائیں گے لیکن اسکوفیلڈ نے کہا کہ ایسا ہونا لازمی ہے۔

بائبل پڑھتے ہوئے اسکوفیلڈ کو محسوس ہوا کہ کہیں کہیں عبارت، یہ انکشاف کررہی ہے کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جلد آجائیں تو عیسائیوں کو بعض اقدامات کرنے چاہییں۔ ان الفاظ کا مفہوم ان پر تو واضح تھا لیکن انہیں یقین تھا کہ بیشتر لوگ انہیں نہیں سمجھ رہے ہوں گے۔ یہ کہتے ہوئے براڈ نے وضاحت کی۔ چنانچہ بائبل کو صحیح طور پر بیان کرنے کے لیے کہ خدا اپنے بیٹے کو واپسی کے سفر پر بھیجنے سے پہلے کیا چاہتا تھا۔ اسکوفیلڈ نے مناسب سمجھا کہ اس میں اپنے الفاظ، اپنے خیالات ڈال دے۔ اس سے ہمیں آج کے حالات وواقعات کو سمجھنا ممکن ہوگیا ہے، جس کی پیش گوئی بائبل کے اندر موجود ہے۔

اچھا تو کیا ریفرنس بائبل ہے؟

براڈ کہتے ہیں: جی ہاں! اور جب 1909ء میں یہ پہلی بار شائع ہوئی تو پوری مسیحی دنیا میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت حوالے کی بائبل شمار کی جانے لگی۔ اس کی لاکھوں، کروڑوں کاپیاں فروخت ہوچکی ہیں۔ براڈ کیا آپ اسکوفیلڈ کے خیالات کا خلاصہ پیش کرسکتے ہیں؟

اس نے ابتدا سے آخری دن تک زندگی کو دیکھا اور مختلف زمانوں میں اسے منکشف ہوتے ہوئے دیکھا۔

اور کیا انہوں نے تمام بڑے واقعات کو دوبارہ پیدا ہونے والے اسرائیل میں مرکوز دیکھا؟

جی ہاں! یہی ہوا اور ایسا تو ہونا ہی تھا۔ یہودیوں کو وہی کرنا چاہیے جس کی ان سے توقع کی جاتی ہے یعنی حضرت عیسیٰ کی واپسی کے لیے حالات پیدا کرنا۔

پھر میں سوال کرتی ہوں کہ آرمیگاڈون کی فتح کے بعد کیا ہوگا؟

حضرت عیسیٰ بادشاہ داؤد کے تخت پر بیٹھیں گے۔

ایک یہودی عبادت گاہ میں؟

جی ہاں! بادشاہ داؤد کے تخت پر بیٹھ کر وہ ساری دنیا پر حکومت کریں گے۔

ایک روز اپنے وطن امریکا میں ڈلاس تھیولوجیکل سیمیناری کی پُرشکوہ انتظامی عمارت کی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی میں اندر داخل ہوئی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے فوراً صدر ڈاکٹر جان والوورڈ کے ساتھ ملاقات کی غرض سے بٹھا دیا گیا۔ صدر اس وقت ستر کی دہائی میں تھے۔ ایک وجیہہ انسان جنہیں یہ فخر حاصل تھا کہ ہال لنڈسے جیسے نامور شاگرد کو بنانے سنوارنے میں ان کا ایک کردار تھا۔

والوورڈ نے بائبل کا ایک بھاری بھرکم نسخہ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا: خدا ایک ہی طرح اپنے تمام بچوں پر نظر نہیں رکھتا۔

میں پوچھتی ہوں دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کے بارے میں اس کا کیا خیال ہے؟

وہ مجھے بتاتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے تو خدا کے پاس منصوبے ہیں لیکن دوسروں کے لیے نہیں جب تک وہ عیسائی نہیں ہو جاتے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کے پاس عیسائیوں کے لیے ایک جنتی منصوبہ ہے اور یہودیوں کے لیے ایک ارضی منصوبہ۔

میں سوال کرتی ہوں یہودیوں کے لیے ارضی منصوبہ کیا ہے؟

اسرائیل کی دوبارہ پیدائش۔

والورڈ اور دوسرے بنیاد پرست عیسائیوں کے خیال میں 1948ء میں اسرائیل کا قیام بائبل کی ایک پیش گوئی کی تکمیل تھی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ یہ اس امر کا محکم ثبوت ہے کہ بائبل کی پیش گوئی زندہ ہے اور یہ کہ ہم سب نہایت تیزی کے ساتھ ان آخری واقعات تک پہنچنے والے ہیں جس کے بعد حضرت عیسیٰ ظہور کریں گے۔

وہ بہت سے عیسائی جن کی اُٹھان (Dispensationalism) کے طبقہ کے تحت ہوئی ہے انہوں نے بعد میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ مسیحی عقیدہ نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال ڈیل کراؤلی جونیئر ہیں۔ وہ واشنگٹن ڈی سی میں مذہبی اُمور کے براڈکاسٹر ہیں۔ میں کراؤلی اور ان کی بیوی

میری کو کوئی بیس برس سے جانتی ہوں۔ ہماری خوش آیند اور ابتدائی دنوں کی یادیں ٹیکساس سے وابستہ ہیں اور پھر ہماری یادداشت میں جاپان بھی ہے۔ جب وہ وہاں ایک مبلغ تھے اور میں ٹوکیو میں بطور صحافی مقیم تھی۔ میں نے اوائل میں جو کتاب (Prophecy and Politics) لکھی تھی اس میں تحقیق کے بعض پہلوؤں پر انہوں نے میری رہنمائی کی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ نوجوانی میں مَیں نے اسکوفیلڈ کا مسلک قبول کر لیا تھا۔

جی ہاں! میں (Dispensationalism) کے نظریے کے ساتھ پل کر بڑا ہوا۔ مجھے کچھ کچھ یاد ہے کہ جب میں اٹھارہ سال کا تھا تو میں نے اپنی کمائی سے ایک نسخہ اسکوفیلڈ بائبل کا خرید لیا۔ مجھے (Dispensationalism) کی تعلیم سنڈے اسکول کے بیسیوں اساتذہ نے، پادریوں اور مبلغوں نے، بائبل کانفرنس کے مقرروں نے ان کے علاوہ کالج ٹیچرز نے جن کے لیے میرے دل میں ستائش کے گہرے جذبات ہیں، غرضیکہ ان سب نے دی۔

اس عقیدے کی تعلیم، تبلیغ، تدریس میں برابر کرتی رہی یہاں تک کہ ایک دن ڈاکٹر جیمز آر گراہم کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر موصوف چین کے ایک مشنری مدرس و دینیات کے عالم ہیں۔ یہ 1952ء کی بات ہے۔ ڈاکٹر گراہم نے میری اسکوفیلڈ بائبل کو ہاتھ میں لے کر براہِ راست گفتگو شروع کی اور نقطہ بہ نقطہ قدم بقدم (Dispensational) عقیدے کے مطابق ایک ایک اُصول کو رد کرتے چلے گئے گویا تاش کے پتوں کا گھر تھا جو بکھر گیا۔

سب سے پہلے انہوں نے مجھے یہ سمجھایا کہ یہ پیش گوئی پر مبنی تفسیر کا ایک نیا نظام ہے جو اس وقت تک محض 120 سال پرانا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحی کلیسا نے اس نظریے کو اٹھارہ سو برس تک قبول نہیں کیا جسے آپ نے اسکوفیلڈ میں پڑھا ہے یعنی دیگر الفاظ میں اس نئے انوکھے اور خطرناک فکر کے بغیر مسیحیت بخوبی زندہ رہی۔

ڈاکٹر گراہم جنہوں نے بل گراہم کے بورڈ آف ڈائریکٹر پر رہتے ہوئے کام کیا، میری آنکھیں کھول دیں۔ اگرچہ وہ اس سے وابستہ نہیں تھے۔ کراؤلی نے ذیل میں اس کی غلطیاں بیان کیں۔

☆ بائبل کی توضیح کا جو نظام اسکوفیلڈ نے دیا ہے وہ بائبل کی یک جہتی کو ختم کر دیتا ہے۔ خاص طور پر اس تصور کو کہ خدا کی محبت اور رحمت سب کے لیے ہے، تمام انسانیت کے لیے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔

☆ یہ مسیح اور مسیحیت کے معنی کی نفی کرتی ہے۔

☆ یہ فکر، مسیحیت کو موجودہ زمانے کے یہودیوں کے ہاتھوں میں یرغمال بنا دیتی ہے خواہ وہ کچھ بھی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔

☆ اسکوفیلڈ کی (Dispensationalism) حضرت عیسیٰ کو نہیں بلکہ یہودیوں کو اور اسرائیل کو مرکزی حیثیت دیتی ہے، یہ فرض کرنے کے بعد یہودی ریاست کا قیام، خدا کی پہلی ترجیح ہے۔ یہ نظریہ اسرائیل کی سرزمین کا دینی عقیدہ بن جاتا ہے اور یہودی ریاست اور اس کے بارے میں خدا کی اولین ترجیح کو مسیحی کلیسا اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر فوقیت عطا کر دیتا ہے۔

☆ اسکوفیلڈ کی (Dispensationalism) نہ صرف حضرت عیسیٰ اور مسیحیت کو یرغمال بنا لیتی ہے بلکہ خدا کو اپنا تابع کر لیتی ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا، حضرت مسیح کو واپسی کی اجازت اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک یہودی، اسکوفیلڈ کے طے شدہ منظر نامے کے مطابق اپنا زمینی کام انجام دے نہیں لیتے۔

☆ اسکوفیلڈ نے یہ سبق دیا ہے کہ خدا کے زمینی وعدے صرف زمین پر اس کے منتخب بندوں کے لیے ہیں یعنی یہودیوں کے لیے اور آسمانی وعدے، صرف ان کے لیے جو آسمان میں اس کی طرف منتخب ہوئے۔ یہ صرف اور صرف اسکوفیلڈ کا نظریہ ہے لیکن کتابِ مقدس میں کہیں نہیں ملے گا۔

☆ اسکوفیلڈ کے (Dispensationalism) نظریے میں، خدا اور انسان کے درمیان غیر مشروط معاہدوں کا پتہ چلتا ہے لیکن پورے صحیفے میں کہیں بھی ایک بھی غیر مشروط معاہدے کا سراغ نہیں ملتا۔

☆ اسکوفیلڈ کی (Dispensationalism) عہد جدید (New Convenant) کے

اُصول کی نفی کر دیتی ہے جو خدا اور سارے انسانوں کے درمیان حضرت عیسیٰ کے خون پر قائم ہے۔ عیسیٰ جنہیں مصلوب کیا گیا، دفن کیا گیا اور جو پھر ظاہر ہوں گے۔

☆ اسکوفیلڈ کی (Dispensationalism) فضائی نجات یا (Rapture) کا سبق سکھاتی ہے۔ یہ لفظ یونانی زبان میں جس کے معنی چھین لینے کے ہیں، ایک داخلی نوعیت کا لفظ ہے۔ اصل واقعہ تو زندگی کا ازسرِنو پیدا ہونا (Resurrection) ہے۔ یہ فضائی نجات (Rapture) تو ایک چھوٹا واقعہ ہوگا لیکن اسکوفیلڈ کی (Dispensationalism) اس کو بڑا واقعہ قرار دیتی ہے۔

☆ اسکوفیلڈ کی (Dispensationalism) یہ سبق دیتی ہے کہ عیسیٰ ایک یہودی بادشاہت قائم کرنے کے لیے آئیں گے اور یروشلم کی تیسری عبادت گاہ میں ایک تخت پر بیٹھیں گے اور قدیم صحیفے (Old Testament) کے طرز پر عبادت گاہ میں اس طرح کی عبادت مثلاً قربانی کو رواج دیں گے۔ ڈاکٹر گراہم نے یاد دلایا کہ حضرت عیسیٰ کا مقصد پرانے قبائلی قوانین کی طرف واپس جانا نہیں ہے، وہ ایک نیا پیغام لے کر آئے تھے اور اب وہ ایک دائمی تخت حکومت پر بیٹھے ہیں، وہ دائمی بادشاہ ہیں اور ایک دائمی بادشاہت کے مالک ہیں۔ ان کا مشن پورا ہو گیا۔

میں نے کراؤلی سے سوال کیا کہ ان کے خیال میں (Dispensationalism) کے عقیدے کو اتنے بہت سے مقلد کیوں مل گئے؟

اس عقیدے میں ان لوگوں کے لیے کشش ہے جو یہ محسوس کرنا چاہتے ہیں کہ وہ "اندر" کے لوگ ہیں اور انہیں ساری "اطلاعات" قبل از وقت مل جاتی ہیں اور یہ کہ وہ اور انہی جیسے دوسرے لوگوں کو ہمیشہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ذہن میں کیا بات ہے۔

کرشمہ ساز پادری اپنے مقلدوں کو بتاتے ہیں کہ اگر وہ اسرائیل کی سرزمین کے مسلک کو قبول کر لیں اور ان ادوار اور افکار کو جن کا تعلق اس سرزمین سے ہے اور جو وہاں یقیناً ظاہر ہوں گے تسلیم کر لیں تو اس طرح وہ اندر کے ہجوم میں شامل ہو جائیں گے اور اس کے صلے میں انہیں طاقت، نظم و ضبط اور تحفظ کی برکتیں اور ان کی ذات کو معنی مل جائے گا۔

بڑھی ہوئی تعداد

امریکا میں غالباً 80 ہزار بنیاد پرست پادری موجود ہیں جن میں سے، بہت سے پادری ایک ہزار کرسچن ریڈیو اسٹیشنوں سے تقریر نشر کرتے ہیں اور ان کے ایک سو کرسچن ٹیلی ویژن اسٹیشن ہیں، ان میں ایک خاصی بڑی تعداد (Dispensationalism) کی ہے۔ مختصر یہ کہ ٹی وی اور ریڈیو کے بیشتر مقرر آج اسکوفیلڈ کے نظریے کا پرچار کرتے ہیں یہاں ساؤدرن بپٹسٹ کنونشن (Southern Baptist Convention) کے ایک کروڑ 50 لاکھ ارکان ہیں۔ ان میں پندرہ تا بیس فیصد (Dispensationalist) ہیں۔ ان میں پندرہ تا بیس فیصد (Pentecostal) اور کرشمہ ساز کرسچن ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق وہ ڈھائی سے تین کروڑ ہیں اور ان کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ بڑی اور بااثر تعلیم گاہیں جو (Dispensationalist) عقیدے کی تعلیم دیتی ہیں اور جس میں ڈلاس کی تھیولوجیکل سیمیناری شامل ہے، جہاں ہال لنڈسے بھی پڑھتے تھے، اس کے علاوہ موڈی بائبل انسٹی ٹیوٹ آف شکاگو فلاڈیلفیا کالج آف بائبل، دی بائبل انسٹی ٹیوٹ آف لاس اینجلز اور ان درس گاہوں میں دوسرے دوسو کالج اور انسٹی ٹیوٹ شامل ہیں۔ 1998ء میں بائبل اسکولوں کے طلبہ کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں 80 سے 90 فیصد اساتذہ اور ان کے طالب علم بھی (Dispensationalist) ہیں۔ یہی بائبل کالج کے گریجویٹ یہاں سے نکل کر پادری بنیں گے اور اسکوفیلڈ کے عقیدہ کی تبلیغ اپنے چرچ میں کریں گے یا اپنا الگ بائبل اسکول کھول لیں گے اور ان میں تعلیم دیں گے۔

ایونجلک عقیدے کے چار ہزار بنیاد پرست جو نیشنل ریلجس براڈ کاسٹ کنونشن میں ہر سال شریک ہوتے ہیں ان میں سے تین ہزار (Dispensationalist) ہیں اور جو اس عقیدے پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ ایک خوفناک تباہی آنے کو ہے لیکن انہیں ایک پل کی بھی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ انہیں پہلے نجات (Rapture) مل چکی ہوگی۔

(ڈیل کراؤلے جونیئر، ریلجس براڈ کاسٹر، واشنگٹن ڈی سی)

اسکوفیلڈ بائبل

اسکوفیلڈ بائبل میں کئی صدیوں کے رجحانات کو نہایت موثر انداز سے یکجا کیا گیا تھا۔ اسکوفیلڈ بائبل کی اہمیت کو جتنا بھی بیان کیا جائے، اندازے سے کم ہوگا۔ ڈوائٹ ولسن، آرمیگاڈون، اس زمانے میں اسکوفیلڈ نے بائبل میں اپنے خیالات شامل کر کے (Dispensationalism) کی مقبولیت پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مبلغوں کے درمیان کوئی بھی اسکوفیلڈ کے الفاظ اور روح مقدس کے الفاظ کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا۔

(جوزف ایم کینن فیلڈ کی کتاب The Incredible Scofield and his book)

سائرس اسکوفیلڈ

1843ء تا 1921ء

اسکوفیلڈ ٹینیسی کا رہنے والا زبردست شرابی، اسکینڈلز میں پھنسا ہوا، اوائل عمری میں ازدواجی مشکلات سے دوچار اس نے خانہ جنگی میں وفاقی (Confederate) کے طور پر حصہ لیا۔ پھر کنساس میں قانون پڑھانے لگا اور بڑی عجلت میں 1877ء کے اندر ریاست چھوڑ کے چلا گیا۔ (ایک بیوی اور دو بچے بھی چھوڑ دیے) ان دنوں اس پر الزامات لگائے جا رہے تھے کہ اس کے سابق شریک کار سینیٹر جان انگلس کو جو سیاسی عطیات ملے تھے وہ اس شخص نے چوری کر لیے (کوئی بھی شخص جو اسکوفیلڈ کی ابتدائی زندگی سے واقف ہوگا، انگلس کے بیان کے مطابق "کرسچن کا اتحاد (Christian Coalation) کی اسکیم کے موثر ہونے سے انکار نہیں کرے گا۔

اسکوفیلڈ کو سینٹ لوئی میں جعل سازی کے الزامات کے تحت 1879ء میں قید کی سزا ہوئی۔ جیل میں اسے تبدیلی مذہب کا تجربہ ہوا اور وہ جیمز بروک کے اثر میں آگیا۔ جو ڈاربائیٹ (Darbyite) میں (Dispensationalist) تھے۔ وہ 1882ء میں ڈلاس کا پادری بن گیا

جو وہاں پہلا اجتماعی چرچ (First Congregational Church) تھا۔ اسکوفیلڈ کی مسلسل شہرت کا انحصار اس کی ریفرنس بائبل 1909ء پر ہے۔ ایک اسکالر کے بقول ساری بنیاد پرست کتابوں میں یہ واحد سب سے اہم کتاب ہے۔

(پال لوئر کی تصنیف When Time Shall be No More سے)

یروشلم: تاریخ میں

سوائے ان کہانیوں کے جو میں نے بچپن میں سنی تھیں، میں یروشلم کے بارے میں بہت کم یا کچھ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہاں لوگ کس طرح روزمرہ زندگی گزارتے ہیں۔ وہ کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ اسکول جاتے ہیں۔ شادی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں بچے ہوتے ہیں۔ کبھی ہنستے اور جشن مناتے ہیں۔ کبھی روتے اور سوگ مناتے ہیں؟ پھر ایک روز یروشلم جاتے ہوئے میں ان لوگوں کی زندگی کے حقائق جان لیے جو وہاں ہمیشہ سے رہتے آئے تھے۔

میں ایک عرب مسلمان محمود علی حسن کے ساتھ پتھریلی سڑکوں سے گزر رہی ہوں۔ حسن یروشلم میں ہی پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنے پہلے جوتے وہیں سے خریدے۔ حجام سے وہیں اپنی شیو بنوائی۔ لباس کا پہلا جوڑا وہیں سلوایا۔ وہیں اس کی شادی ہوئی۔ بچے پیدا ہوئے۔ وہ انہیں پلتا بڑھتا دیکھتا رہا۔ یہ سب کچھ اس نے اس پرانے حصار بند، اسی پرانے حصار بند شہر (Walled City) میں کیا۔

دنیا میں ایک مکمل محصور شہر کی چند ہی مثالیں باقی رہ گئی ہوں گی ان میں سے ایک یروشلم ہے۔ میں محمود کے ساتھ اس کی ایک تنگ راہداری سے گزر رہی ہوں۔ اس کی دیواریں جزوی طور پر حیدریان اسکوائر (Hadrian Square) کی بنیاد پر کھڑی ہیں جس کی تعمیر 135 صدی عیسوی میں ہوئی تھی۔ اس میں پہلے کی دیواروں کی باقیات بھی شامل ہیں جن کا تعلق 37 قبل مسیح شاہ ہیروڈ (King Herod) سے تھا اور اگریپا (Agrippa) کے زمانہ 41 سن عیسوی

سے اور صلاح الدین کے زمانے 1187 صدی عیسوی سے تھا۔

"یہ پرانا حصار بند شہر اپنی پوری طویل تاریخ میں بیشتر عربوں سے ہی آباد رہا۔" یہ بتاتے ہوئے محمود نے کہا۔ "اور پرانے شہر کے تقریباً نوے فیصد بازار، مکانات، مذہبی مقامات سب عربوں کے ہیں۔"

"عرب ہونے کی حیثیت سے ہم مقامی لوگوں کے ورثا ہیں۔ یہی لوگ جنہوں نے فلسطین کبھی نہیں چھوڑا اور انہی دیواروں کے درمیان زندگی گزاری۔ میں اپنے اجداد کا شجرہ پچھلی دس نسلوں تک بیان کرسکتا ہوں اور میرا معاملہ یہ ہے کہ میرے باپ نے۔ میرے باپ کے باپ نے اور اس کے باپ نے غرض کہ پورے خاندان نے پچھلے تین سو سال سے اس گھر میں زندگی گزاری ہے۔" محمود اور میں چلتے چلتے مسلمانوں کے مقدس مقام حرم الشریف تک جا پہنچے ہیں۔

جمعہ کا دن ہے۔ مسلمانوں کا مبارک دن۔ الاقصیٰ کی مسجد کی طرف جاتے ہوئے ہم ان ہزاروں عربوں کے درمیان چل رہے ہیں جو یروشلم کے ساتھ گول پتھروں والی گلی سے گزرتے ہوئے نماز کے لیے جا رہے ہیں۔

محمود کہتے ہیں: "یہ ایک دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔ عرب چار پانچ ہزار برس پہلے یہاں آئے۔ یہیں اپنے خدا کی خاطر انہوں نے مذہبی بنیاد رکھی۔ اوائل کے وہ عرب عبادت گزار شالم (Shalem) نامی ایک خدا کی عبادت کرتے۔ اسی وجہ سے اس مقدس شہر کا نام یروشلم پڑا۔ پھر ہمارے دوسرے اجداد کنعان سے کنعانی آئے۔ انہوں نے یروشلم کو خدائے واحد کی عبادت کا مرکز بنایا۔ کنعانیوں کا ایک بادشاہ تھا ملکی زیدک (Melchizedek) اور یہ لکھا گیا ہے کہ وہ بھی خدائے بزرگ و برتر کا ایک برگزیدہ بندہ تھا۔

"یہ ساری تاریخ یہاں یہودیوں کی آمد سے کئی سو سال پہلے کی ہے اور ان عبرانی (Hebrews) کا پہلا قبیلہ جو یہاں آنے والے متعدد قبائل میں سے ایک تھا، یہاں پہنچا تو اس نے چار سو سال سے بھی کم عرصے یہاں قیام کیا اور وہ بھی ان سے پہلے کے بہتوں کی طرح شکست کھا گئے اور کوئی دو ہزار برس پہلے انہیں یہاں سے نکال دیا گیا تھا۔"

الاقصیٰ سے کچھ دور چل کر ہم اس خوبصورت پتھر کے بنے ہوئے گنبد تک پہنچتے ہیں جو دنیا کی عبادت گاہوں میں حسین ترین جائے عبادت ہے۔اس کا مقابلہ کبھی تاج محل سے کیا جاتا ہے۔محمود نے بتایا کہ عبدالمالک ابن مروانی کے حکم سے اس کی تعمیر 685ء میں ہوئی تھی۔

میں نے محمود سے کہا: ہاں مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ مسجد عمر ہے۔

"آج کل سب ہی یہاں تک کہ مسلمان بھی کہنے لگے ہیں کہ یہ مسجد عمر ہے لیکن اس کی تعمیر عمر نے نہیں کی بلکہ دمشق کے اُموی خلیفہ نے کی تھی۔"

یہ عبادت گاہ ہشت پہل اور ہرے رنگ کے ٹائیلوں سے تعمیر ہوئی اور فن تعمیر کا کمال ہے اور روشنی میں چمک دیتی ہے۔اسے دیکھنے کے لیے ہم قدرے بلند سطح پلیٹ فارم پر پہنچ جاتے ہیں جس کے چاروں طرف ستون تعمیر کیے گئے ہیں اور زینے بھی ہیں۔ہم اوپر نظر ڈالتے ہیں۔ایک ناقابلِ یقین حد تک بڑا اور پُرشکوہ گنبد نظر آتا ہے۔

یہاں داخل ہوتے وقت درجنوں دوسرے سیاحوں کے ساتھ جو دنیا کے مختلف علاقوں سے آئے ہیں، ہم جوتے اُتار دیتے ہیں اور قدیمی طرز کے مشرقی وضع کے قالین پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔کوئی چھ قدم چلنے کے بعد ہم ایک حفاظتی ریلنگ پر پہنچ جاتے ہیں: جس نے ایک بھاری پتھر کو اپنے فریم میں لے رکھا تھا۔اس پتھر کی غیر متوقع جسامت کو دیکھ کر میں چونک پڑتی ہوں۔یہ چٹان جو زمین پر میرے کاندھے کے برابر اونچی ہے اور ایک ٹینس کورٹ کے تقریباً آدھے حصے کے برابر ہے، عبادت گاہ کے اندر تقریباً پوری جگہ کا احاطہ کر لیتی ہے۔

یروشلم کی انتہائی حسین اور فنِ تعمیر کا نمونہ یہ عمارت ایک ہی مقصد کے لیے بنائی گئی تھی۔یعنی اس بھاری چٹان کو اپنے حصار میں لے کر اس کی حفاظت کرے۔محمود کہتے ہیں: "ہمارے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ یہ عظیم چٹان جنت سے آئی تھی اور یہی وہ متبرک چٹان ہے جہاں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا تھا۔"

پرانے شہر کے اندر جہاں میں ٹھہری ہوں۔وہاں کا یہ ایک مختصر راستہ ہے۔محمود میرے ساتھ ہے۔راستے میں وہ مجھ سے کہتا ہے:

"ایک عرب اور مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا یہودیوں سے محض اس لیے کہ وہ یہودی ہیں، کبھی جھگڑا نہیں رہا اور نہ یہودیت کے عظیم مذہب سے کوئی اختلاف رہا ہے۔یہود اور عیسائی جن جگہوں کو مقدس سمجھ کر ان کا احترام کرتے ہیں وہ ہمارے لیے بھی مقدس ہیں۔وہ پیغمبر جنہیں یہود اور عیسائی مقدس اور لائقِ احترام سمجھتے ہیں، وہ ہمارے لیے بھی لائقِ احترام ہیں۔" محمود کہتے ہیں: "لیکن میرا نقطہ یہ ہے کہ تاریخ میں ہر فرد نے ماضی کے واقعات سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔یہاں کسی فرد کا یا کسی گروہ کا تنہا اجارہ نہیں۔یروشلم پر لاتعداد لڑائیاں ہو چکی ہیں اور عبرانی یہاں محض ساٹھ سال برسراقتدار رہے۔"

میں محمود کے آگے اعتراف کرتی ہوں کہ میں ایک اپنی طرز کی امریکی ہوں۔واقعہ یہ ہے کہ میں نے یروشلم یا فلسطین کی تاریخ کبھی نہیں پڑھی۔مغرب کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی طرح میرے حوالے میں بھی محض بائبل کی کہانیاں ہیں، جو سینکڑوں برس پہلے مرتب کی گئی تھیں۔

میرے پاس تو بائبل کی وہی پرانی کہانیاں تھیں اور آج کی خبریں تھیں جن کی رُو سے یہودی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یروشلم پر انہی کا بلاشرکت غیرے مستقل حق ہے۔

یہ افسانوی روداد ایک ایسی سرزمین کے متعلق ہے جو صرف ایک گروہ کے لیے مخصوص ہے۔محمود اس میں کہاں آتا ہے، یہ بات میرے لیے پریشان کن ہے۔

کرسچن جو نظر نہیں آتے

فال ویل نے پہلا سیاحتی دورہ 1983ء میں شروع کیا تھا۔اس وقت چھ سو عیسائیوں کے علاوہ ایک میں تھی۔دوسرا دورہ 1985ء میں تھا۔اس وقت میں آٹھ سو عیسائیوں کے علاوہ ایک اور تھی۔دونوں دوروں کے موقعوں پر رنگین کتابچے شائع ہوئے تھے لیکن فال ویل نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم حضرت عیسیٰ کی سرزمین پر جا رہے ہیں جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔جہاں انہوں نے تبلیغ کی اور پھر انتقال کیا۔اس کے مقابلے میں ان کا زور اسرائیل پر تھا۔وہاں ہمارے گائیڈ اسرائیلی تھے۔ہم نے اسرائیلی ہوٹلوں میں قیام کیا اور صرف اسرائیلی ریستورانوں میں کھانا کھایا۔

وہاں ہمارے چاروں طرف عیسائی تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے لیکن انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ ہماری کسی ملاقات کا بندوبست نہیں کیا تھا۔

ایک روز میں وہاں سے کھسک گئی اور ایک اسرائیلی فوجی مرکز میں جا پہنچی۔ میرا ارادہ ایک فلسطینی عیسائی جوناتھن خطاب سے ملاقات کا تھا۔ میں نے ان کے قانون ساز ادارے دیکھے۔ یہ جگہ یروشلم کے عرب مشرقی بستی میں امریکن کالونی ہوٹل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔ ذرا ہی دیر بعد میں ان کی چھوٹی سی میز کے آگے بیٹھی عرب کافی پی رہی تھی۔

خطاب (Khuttab) یروشلم میں پیدا ہوئے۔ امریکا میں تعلیم پائی۔ وہیں سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور طویل عرصے تک مسیحیت کی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے واشنگٹن اور یروشلم میں بھی بین المذاہب کانفرنسوں میں اکثر شرکت کی ہے۔ میں سوال کرتی ہوں کہ فال ویل سینکڑوں امریکی سیاحوں کو حضرت عیسٰی کی سرزمین پر کیوں اپنے ہمراہ لاتے ہیں اور عیسائیوں سے ان کی ملاقات کیوں نہیں کراتے؟

وہ ان سیاحوں سے کہتے ہیں۔ یہ پتھر کے آثار دیکھو لیکن ''زندہ پتھروں'' کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یعنی ان عیسائیوں کو جنہوں نے مسیحیت کو اپنی پیدائشی سرزمین پر زندہ رکھا ہے۔ ہم حضرت عیسٰی کے زمانے سے یہاں آباد ہیں لیکن فال ویل ہمیں مقامی عیسائیوں کے لیے ''نادید'' بنا دیتے ہیں۔ جیسے ان کے لیے ہمارا کوئی وجود نہیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ اپنی تحقیق میں مغربی عیسائیوں نے یہ طریقہ کب سے اختیار کیا؟

یہ ریفارمیشن (Reformation) کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے کیتھولک روایتی تصور یہ تھا کہ یہ حضرت عیسٰی کی مقدس سرزمین ہے۔ اس وقت تک ہماری تعلیم میں فلسطین کے اندر یہودیوں کی واپسی کا امکان شامل نہیں تھا۔ نہ منتخب لوگوں (Chosen People) کا تصور آیا تھا۔ یا ایک یہودی قوم کے وجود کا تصور ہوا تھا۔ خطاب نے کہا، سبھی مسیحی لیڈر اول دور میں اس بات پر متفق تھے کہ یہودیوں کی بحالی (Restoration) کے بارے میں پیش گوئیاں اصل اسرائیلیوں کی جلاوطنی کے بعد بابل سے واپسی سے متعلق تھیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ چھٹی صدی قبل

مسیح میں بادشاہ کسریٰ نے یہودیوں کو فلسطین سے نکال باہر کیا تھا۔ واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس بنا پر مسیحی لیڈروں نے کہا تھا کہ یہودیوں کے واپس آنے کے سلسلے میں پیش گوئیاں پوری ہو گئی ہیں۔''

خطاب نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ چنانچہ 1600ء کے برسوں تک یہی سبق سکھایا گیا کہ یہودی مذہب کا براہ راست وارث مسیحی چرچ ہے اور کبھی کسی نے اس طرح نہیں دیکھا تھا کہ یہودی خدا کے منتخب بندے ہیں اور ان کا مقدر فلسطین واپس آنا ہے۔ عیسائیت میں کسی نے یہودی جنگ جویوں کے قدیم کارناموں سے ایک رومانوی محبت کبھی محسوس نہیں کی۔

پھر میں نے کہا: کیا غالباً ایسا نہیں کہ مسیحی متفقہ طور پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی نے بعد میں آنے کے بعد یہودی مذہب کی روایات موقوف کر دیں اور اپنی روایت قائم کی۔

اپنی کتاب (City of God) اور دیگر کتابوں میں سینٹ آگسٹس نے اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ یہ کہ عیسائی چرچ خدا کی ہزاروں سالہ بادشاہت کی علامت ہے۔

خطاب نے یہ بتاتے ہوئے کہا: وہ یہ بات پانچویں صدی عیسوی میں لکھ رہے تھے اور ان کی کتاب آج بھی وسیع حلقے میں پسند کی جاتی ہے اور اسے بکثرت لوگ پڑھتے ہیں۔

میں پوچھتی ہوں: اگر حضرت مسیح خدا کی ہزاروں سالہ بادشاہت کی علامت ہیں تو بہت سے عیسائی ایک دوسرے معنی کیوں نکالتے ہیں اور اپنی ابتدا ریفارمیشن (Reformation) سے کیوں کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں: اس وقت تک پرانی کتاب مقدس (Old Testament) مقامی زبان میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی اور 1600ء کے بعد یہ عام طور پر دستیاب ہونے لگی اور الگ الگ قارئین نے اس کی تفسیر کرنی شروع کر دی۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں اب ''یہودیت'' اور ''صہیونیت'' کی تجدید کا دور آ گیا۔ مسیحی پادریوں نے پرانی کتاب مقدس (Old Testament) میں درج جنگ کی داستانوں، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کی طرف مائل کرنا شروع کیا۔''

اس کے علاوہ عیسائیوں نے عبرانی بائبل (Hebrew Bible) کو اپنی ہی حوالے کی کتاب سمجھنا شروع کر دیا اور آنے والی دنیا کے معاملات میں وہ شدت سے الجھ گئے۔ انہوں نے

زندگی کو اس طرح دیکھنا شروع کیا گویا اس کا خاتمہ اب یقینی ہے۔ اب ان کی توجہ مسیحا پرستی (Messianism) اور ہزار سالہ عبادت (Millennarianism) پر لگ گئی یہودی مذہب کی روایات کا خاص جز ہے۔

خطاب نے وہی بات کی جو مسلم محمود نے مجھ سے پہلے کی تھی کہ ایک فلسطینی ہونے کے ناطے اس کا تعلق قدیمی باشندوں سے ہے جنہوں نے یہودیوں کے مقابلے میں یہاں کہیں زیادہ عرصے تک زندگی گزاری اور آباد ہوئے۔ اس کے باوجود عیسائی بنیاد پرست دو ہزار برس کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں اور فلسطین کی ساری تاریخ کو سمیٹ کر اس مدت تک محدود کر دیتے ہیں جو یہودیوں نے یہاں گزاری۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فال ویل اور ان کے مقلد جو اپنی مسیحیت کی بنیاد پرانی کتاب مقدس (Old Testament) کی کہانیوں پر رکھتے ہیں، یعنی خدا کی مقدس زمین کے مقدس بندوں کے تصور پر، وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم یہاں ہیں ہی نہیں۔ وہ ایک نسل پرستانہ اُصول اختیار کرتے ہیں جس کے تحت ہم غائب ہو جاتے ہیں۔ اپنی بات پوری کرتے ہوئے خطاب نے کہا۔ ان کے یہودیت کے مناظر نامے میں ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں۔

اسرائیل پیش گوئیوں کے مطابق

1948ء میں اسرائیل کی پیدائش کے معنی یہ ہیں کہ بالآخر یہودی جنہیں کئی سو برس پہلے یہاں سے نکال دیا گیا تھا اب بائبل کی سرزمین میں واپس آ گئے ہیں...... اسرائیلی قوم کا قیام بائبل کی پیش گوئی کی تکمیل اور بائبل کے بیان کا حاصل ہے۔ (سابق صدر جمی کارٹر)

مقدس سرزمین پر یہودیوں کی واپسی کو میں اس طرح دیکھتا ہوں کہ یہ مسیحا کے دور کی آمد کی نشانی ہے جس میں پوری انسانیت ایک مثالی معاشرے کے فیض سے لطف اندوز ہو گی۔ (سابق سینیٹر مارک ہیٹ فیلڈ)

دو ہزار سال سے زائد یروشلم سے جو یہودیوں کے ہاتھوں میں آ گیا ہے، بائبل کے

طالب علموں کا ایک ولولہ ملتا ہے۔ بائبل کی صداقت اور تکمیل پر ان کا عقیدہ تازہ اور پختہ ہے۔

1967ء میں ایڈیٹر (Christianity Today) ایل نلسن بل نے یہ بیان اس وقت دیا جب اسرائیل کے فوجی دستے یروشلم پر قبضہ کر رہے تھے۔ انفارمیشن کے زمانے میں بائبل پسند یہودیوں (Biblical Hebrews) کو اپنے جدید ہم مذہبوں کے ساتھ پہچانا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی Protestant مسیحیوں میں یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ یہودی جو ادھر اُدھر بکھر گئے تھے ایک بار پھر فلسطین میں اکٹھے ہوں اور عیسیٰ کی دوسری آمد (Second Coming) کی تیاری کریں گے۔ پرانا صحیفہ (Old Testament) پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی مقبول ترین کتاب بن گیا بلکہ عام تاریخی معلومات کے سلسلے میں حوالے کی کتاب شمار کیا جانے لگا۔ یہی وہ لمحہ ہے جب تاریخ میں تحریف کا عمل شروع ہوتا ہے۔

(ریگینا شریف Non-Jewish Zionism)

ایک مسجد (الاقصیٰ) کے گرد محاصرہ

1999ء کے اوائل کا ذکر ہے۔ ڈینور کولوریڈو کے ایک (Dispensationalist) گروپ کے ارکان کو جو (Concerned Christian) کے نام سے پہچانے جاتے تھے، اسرائیلی پولیس نے گرفتار کر کے ہتھکڑی لگا دی۔ انہیں عام مجرموں کی طرح جیل میں ڈال دیا۔ پھر انہیں امریکا واپس بھجوا دیا۔ اسرائیلی پولیس نے یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ حضرت مسیح کے دوبارہ ظہور کے واقعے کو قریب تر لانے کے لیے ایک ''خونی تباہی'' کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

اس مجنونانہ خواہش کے زیر اثر کہ وہ ایک مسجد کو یہودی عبادت گاہ میں تبدیل کر دیں۔

ڈینور سفیدے کے ارکان ان دوسرے (Dispensationalist) سے مختلف نہیں جو اپنے ارادے کو خدا کی مرضی سمجھتے ہیں۔ فال ویل کے ایک دورے میں اس بات کا علم مجھے ایک عیسائیوں سے ہوا کہ وہ اس خیال کو اپنے لیے کتنا مقدس جانتے ہیں اور کن نام کا ایک ریٹائرڈ فوجی میجر اس کی ایک مثال ہے۔

میں نے خاصا وقت اوون (Owen) کے ساتھ گزارا۔ وہ ایک رنڈوا ہے۔ دبلا پتلا، پانچ فٹ پانچ انچ لمبا۔ تن کر کھڑا ہوتا ہے اور مسکراتا رہتا ہے۔ خوش لباس ہے۔ سر پر بالوں کا خاکستری ہے۔ اپنی عمر کے مقابلے میں بہت چھوٹا لگتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں وہ یورپ کے محاذ پر تھا۔ بعد میں کئی سال جاپان میں گزارے۔

ایک روز جب میں اوون (Owen) کے ساتھ جارہی تھی اور ہمارا گروپ پرانے شہر کی طرف جارہا تھا تو دمشق گیٹ پار کر کے گول پتھروں والی راہداری سے گزرتے ہوئے میں نے حضرت عیسیٰ کا تصور کیا اور سوچا کہ وہ بھی اسی راستے سے گئے ہوں گے۔ ایسے میں کہ ماحول بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ یہ پرانا حصار یہ شہر، تاریخ اور تصادم کی تہہ در تہہ یا قیامت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ سیاحوں کے لیے کتنی کشش رکھتا تھا اور 25 لاکھ باشندوں کا مسکن تھا جیسا کہ فلسطینی مسلمان محمود نے مجھے پہلے بتایا تھا۔ اپنی پوری طویل تاریخ میں یروشلم عربوں کی اکثریتی بالادستی میں رہا۔

ہم حرم الشریف پہنچے جہاں چٹان والا گنبد قبۃ الصخرہ اور الاقصیٰ کی مسجد ہے۔ اسے میں محمود کے ساتھ پہلے دیکھ چکی تھی۔ قدرے بلند جگہ پر واقع یہ دونوں تعمیرات عام طور پر مسجد کے سادہ نام سے پہچانی جاتی ہیں۔

ہم قدرے نشیب میں مسجد کے زیر سایہ کھڑے ہیں۔ ہمارا رُخ مغربی دیوار کی طرف تھا جو دو سو فٹ اونچی اور سولہ فٹ لمبی تھی۔ بھاری بھاری سفید پتھروں سے اس کی تعمیر ہوئی ہے۔ یہ دوسری یہودی عبادت گاہ (ہیکل سلیمانی) کی واحد یادگار رہ گئی ہے۔

ہمارے گائیڈ نے چٹانی گنبد اور مسجدِ اقصیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہم اپنا تیسرا ہیکل وہاں بنائیں گے۔ اس کی تعمیر کا ہمارا منصوبہ تیار ہے۔ تعمیراتی سامان تک آ گیا ہے۔ اسے ایک خفیہ جگہ رکھا گیا ہے۔ بہت سی دکانیں بھی جس میں اسرائیلی کام کر رہے ہیں۔ وہ ہیکل میں استعمال کرنے کے لیے نادر اشیا تیار کر رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی خالص ریشم کا تھان بُن رہا ہے۔ جس سے علمائے یہود (ربیوں) کے ملبوس تیار کیے جائیں گے۔ وہ باتیں کرتے کرتے

رُکتا ہے، پھر کہتا ہے:

ایک دینی اسکول میں جسے راہبوں کا تاج کہا جاتا ہے اور جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔ اس جگہ سے قریب ہی ربی نوجوانوں کو بتارہے ہیں کہ قربانی کیسے کی جاتی ہے؟

ہمارے گروپ میں ایک خاتون میری لو جو کمپیوٹر کی ماہر ہیں، یہ سن کر چونک سی پڑتی ہیں کہ اسرائیلی عبادت گاہ کی قدیمی سلیمانی قربان گاہ سے وابستہ پرانی رسموں کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھتی ہیں: تم لوگ جانوروں کی قربانی کی طرف واپس جارہے ہو، آخر کیوں؟''

ہمارا اسرائیلی گائیڈ کہتا ہے: پہلے اور دوسرے گرجا میں ایسا ہی ہوتا تھا اور ہم ان رواجوں کو بدلنا نہیں چاہتے۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہ سبق سکھایا ہے کہ عبادت گاہ کی تفصیلات کے مطالعہ کو نظر انداز کرنا گناہ ہے۔

یہاں سے آگے چلتے ہوئے میں اوون (Owen) سے کہتی ہوں کہ ہمارے اسرائیلی گائیڈ نے قبۃ الصخرہ کی جگہ پر ہیکل تعمیر کرنے کی بات کی ہے لیکن اس نے مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

اوون جواب دیتا ہے: انہیں تباہ کر دیا جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے یہ تورات اور قدیم بائبل میں آیا ہے کہ ہیکل کی تعمیر بہت ضروری ہے اور اس ایک علاقے کے سوا اس کے لیے کوئی اور جگہ نہیں۔ اس کا بیان موسیٰ کے فرامین (Law of Moses) میں بھی ہے۔

میں اوون سے سوال کرتی ہوں: کیا یہ ممکن نظر آتا ہے کہ ایک ہیکل کا تعلق اس زمانے سے ہو جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا نہ کہ زمانہ حال کے واقعات سے ہو۔

اوون کہتے ہیں: نہیں! اس کا تعلق ہمارے زمانے سے ہے۔ قدیم عہد نامہ (بائبل) میں لکھا ہے کہ جب وقت ختم ہونے لگے گا (End of Time) تو یہودی جانوروں کی قربانی کی رسم کو زندہ کریں گے۔ میں کہتی ہوں: بہ الفاظ دیگر ہیکل ضرور بننا چاہیے تاکہ یہودی قربانی کی رسم دوبارہ شروع کر سکیں!!!

جی ہاں! انہوں نے کہا اور پھر بائبل کی عبارت 44:29 کا حوالہ دے کر اپنے بیان کو سچا

ثابت کرنے لگے۔ کیونکہ وہ اس بات کو قطعی طور پر درست سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو عیسائیوں کی مدد سے مسجد کو تباہ کر دینا چاہیے اور وہاں ایک ہیکل تعمیر کرنا چاہیے تاکہ اس میں جانوروں کی قربانی شروع کر دی جائے۔ اللہ کی خوشنودی کے لیے۔

جی ہاں! وہ جواب دیتے ہیں اسی طرح ہوگا اور یہ تو بائبل میں لکھا ہے۔

میں پوچھتی ہوں: کیا ہیکل کی تعمیر آپ کے نظام الاوقات میں موزوں ہے؟

جی ہاں! ہمارا خیال ہے کہ ہمارے آقا (مسیح دجال) کی آمد سے پہلے جو واقعات رونما ہوں گے، ان میں دوسرا واقعہ یہی ہوگا جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ ہیکل کتنا بڑا ہوگا تو اس بارے میں بائبل کچھ نہیں بتاتی ہے کہ قربانی کی رسم کی تجدید ہوگی اور یہودی اسے کسی کسی چھوٹی عمارت میں بھی کر سکتے ہیں۔

میں کہتی ہوں: پھر تو یہ ایک قدیمی رسم کی تجدید ہوئی۔ جانوروں کی قربانی کی طرف واپسی اور ان لاکھوں لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس جدید زمانے میں جانوروں کے حقوق کا احساس رکھتے ہیں؟

لیکن ہم ان کے کہے کی پرواہ نہیں کرتے۔ بائبل جو کچھ کہتی ہے ہم کہتے ہیں کہ بات وہی ہے۔ اودن اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ بائبل نے ایک ہیکل کی از سر نو تعمیر کی پیش گوئی کی تھی۔ اب جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں وہ عیسائی نہیں بلکہ راسخ العقیدہ یہودی ہیں۔ بہرحال قدیم صحیفے نے نہایت واضح فارمولا بیان کر دیا ہے کہ یہودیوں کو جانوروں کی قربانی کے سلسلے میں کیا کرنا ہوگا؟ ایک ہیکل کے بغیر وہ یہ قربانی کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ 70ء تک وہ جانوروں کی قربانی ادا کرتے آئے تھے اور جب انہیں ایک ہیکل مل گیا تو انہیں کچھ راسخ العقیدہ یہودی بھی مل جائیں گے جو ہیکل کے اندر ایک دنبہ یا ایک بیل بھی ذبح کر کے خدا کے آگے قربانی کر دیں گے۔

ادھر اودن جانوروں کی قربانی کی باتیں کر رہے ہیں، جسے وہ اپنی روحانی پختگی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، ادھر یہ حقیقت وہ بھول جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہیں اسی

جگہ ہیں جہاں ان کے بقول خدا ہیکل کی تعمیر کا مطالبہ کرتا ہے۔

اسی روز رات کے کھانے کے بعد اودن اور میں ایک لمبی سیر کے لیے نکلتے ہیں۔ میں ایک بار پھر اپنی اس تشویش کا اظہار کرتی ہوں جو اسلام کے مقدس گھروں کو تباہ کرنے کے خطرے سے متعلق ہے۔

اودن کہتے ہیں: عیسائیوں کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اودن نے وہی بات دہرائی جو وہ پہلے کہہ چکے تھے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ عبادت گاہیں ضرور تباہ ہوں گی۔

لیکن میں پھر کہتی ہوں کہ اس سے تیسری عالمی جنگ شروع ہو سکتی ہے۔

ہاں تو ٹھیک ہے! ہم آخری وقت (End Times) کے قریب آ پہنچے ہیں جیسا کہ میں نے کہا تھا۔ کٹر یہودی مسجد کو بم سے اُڑا دیں گے جس سے مسلم دنیا بھڑک اُٹھے گی۔ یہ اسرائیل کے ساتھ ایک مقدس جنگ ہوگی۔ یہ بات مسیح کو مجبور کر دے گی کہ وہ درمیان میں مداخلت کریں۔ وہ نہایت سکون سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اتنے نرم لہجے میں جیسے کہہ رہے ہوں: کل بارش ہوگی!!!

ہم ہوٹل واپس ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: جی ہاں! ایک تیسرے ہیکل (یہودی عبادت گاہ) کی تعمیر ہو کے رہے گی۔

فال ویل کے اس سیاحتی دورے اور اودن سے ملاقات کے بعد میں اپنے گھر واشنگٹن ڈی سی واپس جاتی ہوں۔ یہاں میں ٹیری ریزن ہوور سے گفتگو کرتی ہوں جو اوکلاہوما کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہودی دہشت گردوں کے لیے چندہ جمع کرو تاکہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیں۔

روزن ہوور پستہ قد، گول مٹول، سر کے بال صاف، (Born Again) عیسائی، نپا تلا لہجہ اور آواز۔ اس نے مجھے بتایا کہ ریگن انتظامیہ کے زمانے میں اسے اکثر وہائٹ ہاؤس کے اجتماعات میں بلایا گیا ہے جہاں (Dispensationalists) اکٹھے ہوتے تھے۔ روزن ہوور وہاں ساز بجانے پر مامور ہوتی تھی۔

روزن ہوور نے بڑی صفائی سے مجھے بتلایا کہ اس کا منصوبہ امریکا سے اسرائیل کے لیے ڈالر

بگھوتا ہے جس پر ٹیکس عائد نہ ہو۔ 1985ء میں وہ جیوش کرسچن کوآپریشن (Jewish Christian Co-Operation) کے لیے امریکن فورم کی صدر تھی۔ اس کا معاون ایگزیکٹو ڈائریکٹر کے طور پر ڈگلس کریگر تھا اور ایک امریکی پادری ڈیوڈین بھی مددگار تھا۔ جس کا ایریل شیرون سے دوستانہ گہرا تعلق تھا۔

علاوہ ازیں روزن ہوور نے یروشلم ٹیمپل فاؤنڈیشن کی چیئرپرسن کے فرائض بھی انجام دیے جس کا واحد مقصد مسلمانوں کے مذہبی عبادت گاہوں کی جگہ پر ایک ہیکل کی تعمیر ہے۔ روزن ہوور نے اسٹینلے گولڈ فیٹ کو فاؤنڈیشن کا انٹرنیشنل سیکرٹری بنایا ہے۔ یہ گولڈ فیٹ 1930ء کی دہائی میں جنوبی افریقہ سے ترکِ وطن کر کے فلسطین آگیا تھا اور رسوائے زمانہ اسٹرن گینگ (Stern Gang) کا ممبر بن گیا تھا۔ عرب مردوں، عورتوں اور بچوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر کے اس نے ساری دنیا پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ ڈیوڈ بن گورین جیسے یہودی نے اس گینگ کو نازی قرار دیا تھا اور ان کو لاقانونیت کا مجرم ٹھہرایا۔

اسرائیلی اخبار ڈاور (Davar) کی خبر کے مطابق گولڈ فیٹ نے 22 جولائی 1946ء کو یروشلم کنگ ڈیوڈ ہوٹل میں ایک بم رکھ دیا تھا جس سے ہوٹل کا ایک حصہ جہاں برٹش مینڈیٹ سیکرٹریٹ تھا اور کچھ حصہ فوجی ہیڈکوارٹر کا تھا، تباہ ہو گیا۔ اس کارروائی میں کوئی ایک سو انگریز اور دوسرے افراد مارے گئے اور جیسا کہ یہودی دہشت گردوں کا منصوبہ تھا انگریز فلسطین سے عجلت تمام نکل گئے۔ روزن ہوور نے گولڈ فیٹ کا نام ستائشی انداز سے لیتے ہوئے کہا: یہ بڑا پختہ اور بالکل اصلی دہشت گرد ہے۔ اس میں یہ صلاحیت ہے کہ جگہ کو ہیکل کی تعمیر کے لیے صاف کر دے۔

روزن ہوور نے یہ بھی بتایا کہ جہاں عیسائی جوشیلے بڑی ہما ہمی سے مذہبی کام کر رہے ہیں، وہیں ان کا کارندہ گولڈ فیٹ خدا کو نہیں مانتا اور قدیم صحیفے (Old Testament) کے مقدس پہلوؤں پر یقین کرتا ہے۔ گولڈ فیٹ کا مقصد تو بس یہی ہے کہ اسرائیل کا قبضہ پورے فلسطین پر ہو جائے۔

گولڈ فیٹ کے ایک نائب عزرائیل میڈا نے جو تحیا پارٹی (Tehiya Party) کے رکن ہیں اور یہ دائیں بازو کی ایک انتہا پسند پارٹی ہے، وضاحت کرتے ہوئے کہا جس کا قبضہ ٹیمپل

ماؤنٹ (Temple Mount) پر ہو وہی یروشلم پر قبضہ رکھتا ہے۔

روزن ہوور نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے امریکا کے دوروں میں کئی بار گولڈ فیٹ کو ساتھ لیا۔ اس نے وہاں مذہبی ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں پر اور چرچ کے اجتماعات میں خطاب کیا۔ روزن ہوور نے ایک کیسٹ کے حصول میں میری مدد کی۔ اس میں گولڈ فیٹ کی وہ تقریر محفوظ تھی جو اس نے کیلی فورنیا کے مقام کوستا ریکا میں چک اسمتھ کالوری چیپل (Calvary Chapel) میں کی تھی۔ گولڈ فیٹ نے وہاں عیسائیوں کو یہ نہیں بتایا کہ اس کا منصوبہ مسجد تباہ کرنا ہے۔

روزن ہوور نے مجھے ایسے لوگوں کے نام دیے جو گولڈ فیٹ کو جانتے تھے۔ انہی میں جارج گیاکومکس (George Giacumakis) تھا۔ جو کئی سال تک ہولی لینڈ اسٹڈیز (Holy Land Studies) کے ادارے کا سربراہ رہ چکا تھا۔ یہ ایک بڑا پرانا مبشراتی مشنری ادارہ ہے جسے امریکا چلاتا ہے۔ اس میں دینیات اور قدیم آثار کے علم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یروشلم کے ایک دورے میں، میں نے گیاکومکس سے ملاقات کا وقت لیا۔ یہ یونانی نسل کا امریکن ہے اس کی سیاہ آنکھیں اور دلآویز شخصیت۔

کافی پینے کے دوران میں نے کہا کہ کیا ہماری ملاقات گولڈ فیٹ سے ہو سکتی ہے؟

گیاکومکس نے کہا: بالکل نہیں۔ یہ کہتے کہتے اس نے اپنا جھکا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں یوں سنبھال لیا جیسے کوئی خوفناک تباہی کی خبر سن کر کرتا ہے۔ تم اس سے ملنا نہیں چاہو گی۔ وہ دہشت گرد گروپ میں واپس چلا گیا ہے۔ پھر اپنا سر اٹھاتے ہوئے اس نے کنگ ڈیوڈ ہوٹل کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس کارروائی کا انچارج اسٹینلے گولڈ فیٹ تھا۔ اس کا منصوبہ یہ ہے کہ ہیکل ضرور تعمیر ہو۔ اگر یہ کام تشدد سے ہو سکتا ہے تو اسے تشدد سے کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوگا۔

گیاکومکس ذرا ٹھہر کر بولا۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ اگرچہ وہ خود تشدد پر یقین نہیں رکھتا لیکن اگر وہ مسجد اقصیٰ تباہ کر دیں اور وہاں ہیکل بن جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس کی حمایت نہیں کروں گا۔ روزن ہوور نے ہی میری ملاقات جیمز ڈیلاک (James E. Deloch) سے کرائی۔ وہ ہوسٹن کے عظیم الشان بپٹسٹ چرچ کی ایک سرکردہ شخصیت ہیں۔ ٹیلی فون پر چند بار کی گفتگو کے بعد ڈیلاک نے وعدہ کیا کہ وہ واشنگٹن ڈی سی آئیں گی۔ وہ ملے

شدہ پروگرام کے مطابق میری دعوت پر میرے اپارٹمنٹ آئے۔ ان کی اجازت سے میں نے اپنا ٹیپ ریکارڈ چلا دیا۔

انہوں نے کہا: میں اسٹینلے گولڈ فیٹ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہم بہت اچھے دوست ہیں۔ وہ ایک نہایت مضبوط شخص ہے۔

روزن ہوور کے بارے میں ڈیلوک نے بتایا کہ وہ چندہ جمع کرنے میں بڑا ماہر ہے۔ وہ دس کروڑ ڈالر اکٹھے کر رہا ہے۔ اسی میں سے خاصی رقم ان وکیلوں کو دی گئی ہے جنہوں نے 29 اسرائیلیوں کو رہائی دلائی ہے۔ ان پر مسجد کو تباہ کرنے کی کوشش کا الزام تھا۔ ان کو رہا کرانے کے لیے ہمیں خاصی رقم خرچ کرنا پڑی۔

میں نے پوچھا کہ وہ اور دوسرے لوگ امریکن عطیہ دہندوں کی رقم یہودی دہشت گردوں کی امداد کے لیے کس طرح بھجواتے ہیں؟

ہم نے ایٹرٹ کونیم پی شیوا (Ateret Chanim Yeshiva) کو بھی امداد فراہم کی ہے۔

یعنی وہ یہودی مدرسہ جہاں طلبہ کو جانوروں کی قربانی دینا سکھایا جاتا ہے؟

جی ہاں! انہوں نے جواب دیا۔ اور عیسائی اس کے لیے عطیہ دیتے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ اس کے لیے بڑی تربیت چاہیے، پھر قدرے تمکنت سے انہوں نے کہا کہ حال ہی میں، ہمیں نے ہوسٹن میں اپنے مکان پر دو نوجوان اسرائیلیوں کی میزبانی کی ہے۔ وہ یہ سیکھ رہے ہیں کہ جب ہیکل بن جائے تو وہ اس میں جانوروں کو کس طرح ذبح کیا جائے گا؟

سرخ سانڈ

ریورنڈ کلائیڈ لوٹ ایک پنٹی کوسٹل پادری ہیں۔ انہوں نے بائبل کی ایک عبارت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ یہودیوں کے تیسرے ہیکل کی تعمیر لازمی طور پر یروشلم میں مسیح کی دوسری بار آمد سے پہلے ہوگی۔ لوٹ سرخ بیل یا کنواری گائے کو جو بالکل بے داغ ہو ذبح کرنے کے لیے کہتے ہیں جس کے بعد آئندہ ہیکل کی تعمیر کی رسم پوری ہوگی۔ اس کی خاطر

قدیم اسلامی عبادت گاہوں کو مسمار کر دینا ہوگا۔ لوٹ کو یقین ہے کہ خدا کی شراکت سے یہ کام مناسب وقت میں ہو جائے گا۔

(نیویارک ٹائمز 27 دسمبر 1998ء)

ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا وقت بہت قریب ہے

1998ء کے اواخر میں ایک اسرائیلی خبرنامہ، ویب سائٹ پر دیکھا گیا جس میں کہا گیا کہ اس کا مقصد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو آزاد کرانا (Liberation) اور ان کی جگہ ایک یہودی ہیکل کی تعمیر ہے۔ خبرنامے میں لکھا ہے کہ اس ہیکل کی تعمیر کا نہایت موزوں وقت آ گیا ہے۔

خبرنامے میں اسرائیلی حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ملحدانہ اسلامی قبضے کو مسجد کی جگہ سے ختم کرائے۔ تیسرے ہیکل کی تعمیر بہت قریب ہے۔

پادری ڈیلوک ایک گھنٹے سے زیادہ وقت تک باتیں کرتے رہے اور اپنی ساری گفتگو کو ریکارڈ کرنے کی اجازت دی۔

اس سے پہلے کہ وہ میرے اپارٹمنٹ سے رخصت ہوں، میں نے ان سے ایک آخری سوال کیا: اگر وہ یہودی دہشت گرد جن کی وہ مدد کرتے ہیں مسجد اقصیٰ اور گنبد قبۃ الصخرہ کو تباہ کر دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں تیسری عالمی جنگ شروع ہو جاتی ہے اور ایٹمی ہولناکی دنیا کو لپیٹ لیتی ہے، پھر کیا ہوگا؟ کیا روزن ہوور اس صورتِ حال کے ذمہ دار نہیں ہوں گے؟

انہوں نے جواب دیا: نہیں! کیونکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، وہی خدا کی مرضی ہے۔

پادری ڈیلوک نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ڈاکٹر لیمبرٹ ڈولفن سے ملاقات کرلوں۔ وہ ایک ممتاز سائنس دان ہیں اور کیلی فورنیا کے اسٹین فورڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ہیں۔ ہوسٹن

کے پادری نے کہا: ڈولفن ہیکل کی تعمیر کے سلسلے میں مسجد کی زمین کا ''ایکسرے'' کر رہے ہیں۔ وہ ایک منصوبے کے موجد ہیں جس کے تحت تعمیراتی مقاصد کے لیے زمینی تحقیق کی خاطر ایکسرے کی طرح کا راڈار استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کا زمینی تحقیق کے لیے راڈار خاصا قابل اعتماد ہے۔

میں نے ڈاکٹر ڈولفن سے خط وکتابت شروع کی۔ انہوں نے ''زمینی تحقیق سے متعلق راڈار'' کے بارے میں ایک بڑا پیکٹ جس میں وضاحتیں درج تھیں، مجھے بھجوایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کتابچہ تھا جس میں ان کی زندگی اور (Born Again) کے تجربے سے متعلق تفصیلات موجود تھیں۔ اس قصے میں بھی عیسیٰ کی موجودگی کا مطلب بھی یہی تھا کہ انہوں نے (Dispensationalism) ہونا قبول کرلیا۔ یعنی خدا کی مرضی بھی یہی ہے کہ قبل اس کے کہ وہ عیسیٰ کو زمین کو دوبارہ بھیجے، وہاں ہیکل کی تعمیر ہو جانی چاہیے۔

اسرائیل میں اراضیاتی تحقیق کے لیے، ان کا جغرافیائی طریقہ بتاتا ہے کہ کسی علاقے کی اراضیاتی تحقیق پہلے ایک فضائی فوٹوگرافی سے ہوتی ہے۔ پھر اصل کھدائی سے پہلے دوسرے سائنسی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں یعنی (Thermal Infrated Imaginary) اور زمین میں داخل کیا جانے والا راڈار اور زمین کے اندر کی آوازیں جانچنے کا آلہ۔

ایک اور کتابچے میں ڈولفن نے لکھا کہ اسلامی مقدس زمینوں پر کھدائی مشکل ہے اور دور سے مشاہدہ کرنا بہتر ہے۔ اسٹینے گولڈفسٹ کو بھیجی جانے والی رقم کا تخمینہ ایک مرتبہ کے کام کے لیے، کم سے کم چھ سے ساڑھے چھ ڈجٹ (Digit) (یعنی ایک تا دس ساڑھے دس لاکھ ڈالر) کے درمیان ہوگی۔

یروشلم ٹیمپل فاؤنڈیشن کی ذمہ داری پر جس کے لیے جزوی طور پر فنڈ چک اسمتھ کے کیلوری چیپل (Cavelery Chapel) نے ادا کیا تھا۔ ڈاکٹر ڈولفن نے اپنے عملے اور سائنسی ساز وسامان کے ساتھ کئی ہفتے اسلامی عبادت گاہوں کے قریب گزارے تاہم ایکسرے کی مسلسل کارروائیوں کے بعد جو مسجدِ اقصیٰ اور گنبد معراج کے نواح میں کی گئیں۔ ڈولفن نے مسلمانوں کے احتجاج کو ہوا دی۔ جنہوں نے اس کی موجودگی پر شدید اعتراضات کیے۔ ڈولفن نے اپنا

ساز وسامان لپیٹا اور کیلی فورنیا واپس آ گئے۔ 1999ء کے زمانے سے اب تک وہ شدید بنیاد پرست (Dispensationalist) ہیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں، مسجد اقصیٰ اور مقدس گنبد معراج کو تباہ کر دینے اور ہیکل کی تعمیر کے منصوبے بناتے رہتے ہیں، ان کی اپنی ویب سائٹ ہے جس پر وہ اپنے قارئین کو کام کی ترقی کی رفتار سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔

1967ء کے زمانے سے جب شہ زور یہودیوں نے یروشلم پر فوجی قبضہ کرلیا تھا، اس وقت سے اب تک وہی جوشیلے یہودی، جن میں سے بہت سے مسلح اسرائیلی ربائی، سپاہی اور دینیات کے طلبہ ہیں، سو سے زیادہ موقعوں پر یروشلم کی انتہائی مقدس سرزمین پر حملے کرچکے ہیں۔ شومن گورین جو بعد میں ان کا بڑا ربی اعظم بنا، حملہ کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ 1967ء میں اس نے ایک حملے میں پچاس مسلح غنڈوں کی قیادت کی تھی۔

اسرائیل کے سرکردہ ربیوں نے پچھلے تیس برسوں میں 1999ء تک یہودی دہشت گردوں کی طرف سے مساجد پر حملے کی ایک بار بھی مذمت نہیں کی۔ اسرائیل کے ایک صحافی کا کہنا ہے کہ ان کے مذمت نہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہودی ربی اعلیٰ ترین سطح تک اپنے دہشت گردوں کی کارروائیوں کو پسند کرتے ہیں۔ سرکردہ ربی جو حکومت سے تنخواہ پاتے ہیں، نے تشدد کی کارروائیوں کی کبھی مذمت نہیں کی۔ صحافی نے لکھا ہے کہ ان کے مذمت نہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بھی درپردہ ان کارروائیوں میں شریک ہے۔

حرم شریف پر سب سے زیادہ شدید مسلح حملوں میں وہ بڑے بڑے ربی شامل تھے جو اشتعال انگیزی کرتے اور ان کی سربراہی کرتے رہے۔ ربی شومو نے کہا ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تمام جلاوطنوں کو اکٹھا کرنے اور اپنی ریاست بنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنی عبادت گاہ تعمیر کی جائے۔ یہودی عبادت گاہ کی تعمیر کا معاملہ سرفہرست ہے۔

مسجد کو تباہ کرنے کا جو منصوبہ دہشت گرد یہودیوں نے بنایا تھا، اس کے بارے میں، میں نے سب سے پہلے 1979ء میں سنا۔ اس سال میں فلسطین کے مقبوضہ علاقے (ویسٹ بینک) میں گئی اور ان یہودی آبادکاروں کے یہاں قیام کیا جو اپنے آپ کو وفاداروں کا دستہ (Block

of the Faithful) یا ''گش ایمونم'' (Gush Emunim) کہتے تھے۔ وہ وہاں بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آباد تھے اور اس زمین پر محض اسلحہ کے بل پر قبضہ انہوں نے جمالیا تھا۔ میں نے وہاں عجیب طرح کی کچی بستیوں میں گھرا ہوا پایا۔ جس کے چاروں طرف بڑے بڑے شہتیر اور کانٹے دار تار نصب کیے گئے تھے اور مسلح سنتری پہرہ دے رہے تھے۔

جن آبادکاروں سے میں ملی، ان کی ایک تہائی تعداد امریکی تھی۔ زیادہ تر نیویارک سے گئے تھے۔ بروکلن کا بوبی براؤن اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ یہودی عبادت گاہ کی تعمیر کے لیے مسجدِ اقصیٰ کو تباہ کرنے سے اگر تیسری جنگ عظیم شروع ہو جاتی ہے تو بیشک ہو جائے۔ میرے اردگرد کے دوسرے لوگوں کی طرح اس نے بھی سب مشین گن پکڑ رکھی تھی جو اسرائیلی فوج نے انہیں دی تھی۔

براؤن نے جو تیسری نسل کا امریکی تھا، کہا میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان ایک مسجدِ اقصیٰ کی موجودگی اس زمین پر بڑا بوجھ ہے۔ وہ بیت اللحم کے نواح میں تکویا (Tekoa) کی زیرِ تعمیر بستی میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ ''یروشلم کی کسی بھی تصویر پر نظر ڈالو، مسجدِ اقصیٰ نظر آ جائے گی۔ اسے تو جانا ہی ہوگا۔ ایک ہم یہودی اپنی تیسری عبادت گاہ وہاں تعمیر کر ہی لیں گے۔ یہ کام لازمی طور پر کریں گے تاکہ عرب اور ساری دنیا دیکھ لے کہ ہم یہودیوں کا قبضہ سارے یروشلم پر ہے، اسرائیل کی تمام سرزمین پر ہے۔''

میں نے لینڈا اور بوبی براؤن کے گھر میں قیام کیا۔ ایک شام دوران گفتگو میں نے کہا کہ عبادت گاہ کی تعمیر کے لیے مسجد اقصیٰ کو تباہ کر دینے سے ایک ہولناک جنگ شروع ہو سکتی ہے۔ ''ٹھیک بالکل یہی بات ہے۔ لیکن ایسی ہی جنگ تو ہم چاہتے ہیں کیونکہ ہم اس میں جیتیں گے، پھر ہم تمام عربوں کو اسرائیل کی سرزمین سے نکال دیں گے اور تب ہم اپنی عبادت گاہ کو از سرِ نو تعمیر کریں گے۔''

ادھر وہ باتیں کر رہا تھا، اُدھر (Gush Emmnim) تنظیم کے غنڈے مسجد کے انہدام کا خفیہ منصوبہ بنا رہے تھے جیسا کہ بعد کے شواہد سے معلوم ہوا، انہوں نے فضائی پرواز کے ذریعے

مسجد کی تصاویر حاصل کیں اور فضائی فوج کے ایک پائلٹ کو بھرتی کیا تھا کہ ایک جہاز چوری کرے اور مسجد پر گولیاں برسائے، تب وہ اس پر زمینی حملہ کریں گے۔

1985ء میں ویلیج وائس (Village Vioce) نامی مجلے میں رابرٹ فرائڈمین نے یہ خبر دی تھی کہ یہودیوں کے بم بردار دستوں کو پرانے شہر کی دیواریں پھلانگ کر مسجد کے صحن میں پہنچنا تھا۔ مسجد کا ایک ماڈل تیار کیا گیا تھا اس پر حملے کی مشق کی گئی تھی۔ ریگستان میں ایسی ساخت کے دستی بموں کو آزمایا گیا تھا۔ مینا چم لونی (Menachem Livin) نہایت کرخت چہرے والا ایک باریش کمانڈر تھا۔ وہ اسرائیلی فوج کی ریزرو بٹالین میں ایک لڑاکا انجینئر تھا۔ اس نے حساب لگایا تھا کہ بم باری کے نتیجے میں مسجد کس طرف گرے گی اور بم کے ٹکڑے کتنے دور اڑ کر جائیں گے۔

تاہم اس سے پہلے کہ وہ اپنے منصوبے پر عمل کرتے، انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمے کے دوران ان کے ساتھ عظیم قومی ہیرو کا سا سلوک کیا گیا۔ ایک دہشت گرد یہودہ ایٹزون (Yehuda Ztzion) نے عدالت میں بیان دیا کہ اسرائیلی حکومت چونکہ مسلمانوں کی زمین کو خود پاک نہیں کرے گی تو لازم آتا ہے کہ میں یہ کام خود انجام دوں۔ وہ اپنے فعل پر نادم نہیں تھا۔ اس نے عدالت سے کہا: میں سو فیصد معصوم ہوں کیونکہ اس عمارت (گنبد معراج اور مسجدِ اقصیٰ) کو ضرور ہٹانا ہے۔

ان میں سے کسی بھی دہشت گرد کو قید میں لمبے عرصے کی سزا نہیں دی گئی۔ اسرائیل کے صدر نے ان کی سزاؤں میں تخفیف کر دی تھی۔ دہشت گردوں کی مدافعت کے لیے خاصی رقم موجود تھی۔ ان کے لیے امریکا سے ڈالر پر ڈالر چلے آ رہے تھے۔ عطیات دینے والوں میں عیسائی اور یہودی دونوں شامل تھے۔

مغربی کنارے ویسٹ بینک اور مشرقی بیت المقدس کی بستیوں میں دہشت گرد تنظیم (Gush Emunim) کو رقوم کی ترسیل کا سب سے بڑا وسیلہ امریکا کا خزانہ ہے۔ ٹیکس دہندگان کے لاکھوں کروڑوں ڈالر، غیر قانونی یہودی بستیوں کی تعمیر اور ان میں مہنگی قسم کی رہائشی سہولتوں کی فراہمی کے لیے برابر بھیجے جا رہے ہیں۔

بس ایک واقعہ رونما ہونا باقی ہے

اسرائیل کو اپنے آخری عظیم تاریخی ڈرامے میں اسٹیج کی مکمل تیاری کے لیے بس ایک واقعہ ہونا باقی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی قدیمی زمین پر عبادت کے لیے ایک قدیمی عبادت گاہ کی از سر نو تعمیر۔ حضرت موسیٰ کے فرامین کی رو سے ایک ہی جگہ ہے جہاں اس عبادت گاہ کو تعمیر کیا جانا ہے۔ یہ ہے ماؤنٹ موریا (Mount Moriah)۔ وہی جگہ جہاں اس سے پہلے کی عبادت گاہیں تعمیر کی گئی تھیں۔ (عین مسجد اقصیٰ اور گنبد معراج پر)

(ہل لنڈسے کی تصنیف The Late Great Planet Earth سے)

دائیں بازو کے عیسائی! اسرائیلی اور امریکی یہودی

(The Christian Right-Israeli & American Jews)

دائیں بازو کے عیسائی اور صہیونیت کے مخالف

اوکیل انگران اپنی کتاب The Roots of Anti-Semitism میں لکھتا ہے کہ عیسائی چرچ اپنی تاریخ کے بیشتر عرصے میں صہیونیت کا مخالف رہا ہے۔ انگرام (Duke Divinity School) کے ریٹائرڈ پروفیسر ہیں۔

"Roots of Anti Christian" کے نومبر 1983ء کے شمارے میں انہوں نے لکھا کہ چرچ نے بیشتر دینی مسائل پر سترہ سو سال تک یہودیوں سے شدید نفرت کی ہے۔ عیسائی سن کے آغاز سے تین سو سال تک صہیونیت کے خلاف آواز بڑے زور وشور سے بلند کی گئی۔ اس عرصے میں مسیحی چرچ اور یہودیوں کی مذہبی رواداری دونوں ایک دوسرے کے زبردست مخالف تھے۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ انتہائی زمانے کے کلیسائی رہنماؤں کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

☆ جسٹن مارٹر (Justin Martyr) اسرائیل کی تباہی کی توثیق کرتے ہوئے عیسیہ

(Isaiah) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہودی بجا طور پر مصیبت جھیل رہے تھے۔ ''تمہارا ملک ویران ہیں، تمہارے شہر آگ سے جلا دیے گئے ہیں، اجنبی لوگ تمہاری زمینوں کو تمہارے سامنے ہڑپ کر جاتے ہیں۔''

☆ ٹرٹولیان (Tertullian) نے یہودیوں کے بارے میں اپنی علانیہ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کی سزا کے طور پر ان کے ہیکل اور ملک تاراج ہو گئے اور ان کی رقوم ساری دنیا میں منتشر ہو گئی۔

☆ روم کے ہپولیٹس (Hippolytus) نے یہودیوں کو عیسائیوں کی تقویت کا ذمہ دار قرار دیا اور کہا کہ اس ظلم میں وہ بھی شریک تھے۔

☆ الیسوبس (Eusebius) نے اپنی کتاب (Ecclesiatical History) میں لکھا کہ قدیمی صحیفے (Old Testament) کی پیش گوئیاں پوری ہو گئی ہیں اور اسرائیل کا اقتدار اور اس کی قیادت عیسائی مسیحا کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ''اسرائیل کے باشندوں کے تاریخی عالمی مشن ان سے چھین لیا گیا اور وہ مسیحی کلیساؤں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔''

☆ انگرام لکھتے ہیں کہ عیسائیت تین سو سال تک اپنی بقا کی جدوجہد کرتی رہی اور بالآخر ایک معتوب فرقے کی بجائے مقتدر قرار پائی جو دوسروں کو سزا دینے لگی۔ چرچ کے قائدین نے عیسائی بادشاہوں سے اتفاق کیا اور یہودیوں کو عیسائیوں کے ساتھ ملنے سے روک دیا۔ برطانوی مورخ سیل روتھ کے الفاظ میں عیسائیوں نے یہودیوں کو ''معمول کی سرگرمیوں سے خارج کر دیا اور ان کو ان دائروں تک محدود کر دیا جن میں انجام دہی کے لیے ان کے پاس خاص صلاحیت تھی یعنی ان کے بین الاقوامی روابط اور حالات کے مطابق تبدیل ہونے کی صلاحیت۔''

☆ انگریز صلیبی جنگ جو یہودیوں کو سزا دینے میں خاص طور پر سفاک تھے۔ وہ ان کی مذمت کرتے تھے کہ وہ اپنی حرام کی کمائی پر عیش کرتے ہیں۔ جبکہ سپاہی مسلمانوں کو مقدس سرزمین سے نکالنے کے لیے اور عیسیٰ کو مصلوب کیے جانے کے واقعہ کا انتقام لینے کی خاطر جنگ کر رہے تھے۔ عیسائی سپاہیوں نے یہودیوں کا مکمل صفایا کر دیا۔

☆ سارے مسیحی مغربی یورپ میں یہودیوں کا داخلہ بند تھا۔ 1290ء میں انہیں انگلینڈ نے 1492ء میں اسپین سے اور اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد پرتگال سے بھی نکال دیا گیا۔

☆ اصلاحی تحریک (Reformation) کے قائد مارٹن لوتھر نے یہودیت اور یہودیوں کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کو ملک سے نکال دینا چاہیے۔ انہیں خدا کی عبادت سے روک دینا چاہیے۔ ان کی عبادت کی کتابیں اور تالمود مسمار کر دینے چاہییں۔ ریفارمیشن کے ساتھ بہت سے عیسائیوں نے یہودیت اور یہودیوں سے نفرت کرنے کی بجائے ان کے خلاف دوسری طرح کا امتیاز شروع کیا جسے (Philo-Semitism) کہا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ''محبوب'' شریک کار ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ یہودی ہیں اور یہودیت پر کاربند ہیں بلکہ عیسائیوں کی نجات میں ان کا ایک کردار ہے۔

(Phillo-Semitism) کے نظریے کا اظہار مسیحی یہودیت میں بھی ہوتا ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر فلسطین کے مسیحی جوناتن خطاب نے نویں باب میں تحقیق کی ہے۔

آج کل بنیاد پرست عام طور پر یہودیت دشمن دیکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر اسرائیل سے ''محبت'' کی بنا پر جو یہودیوں کو مختلف بناتی ہے اور یہ کہ فنا ہو جانا ان کا مقدر ہے۔

بہرحال سبھی بنیاد پرست عیسائی صیہونیت دشمن نہیں ہیں، ان کے درمیان ذاتی اور سیاسی اختلافات ہو سکتے ہیں، اس وجہ سے سب کو ایک ہی زمرے میں شمار کرنا، غلط اور خطرناک ہو سکتا ہے۔

تاہم بہت سے بنیاد پرستوں نے جو اپنے حلقوں میں بڑے محترم ہیں اور مضبوط روابط رکھتے ہیں، مسلمہ طور پر جس کی تاریخی سند موجود ہے اپنے پیروکاروں کو یہی سبق سکھایا ہے کہ دنیا کے سارے مصائب کے ذمہ دار یہودی ہیں۔ 1930ء کے عشرے میں بنیاد پرستوں نے جن میں آرنلڈ سی گیبلین (Arnold C. Gaebelein) جیسے بائبل کے مقبول معلم اور آور ہوپ (Our Hope) کے ایڈیٹر اور موڈی بائبل انسٹی ٹیوٹ کے صدر جیمز گرے اور عیسائیت کے محافظ (Defenders of the Christian Faith) کے بانی گرالڈ بی ون روڈ شامل

ہیں۔ یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ یہودی ایک بین الاقوامی سازش کے بانی ہیں۔

انہوں نے اپنے صیہونیت دشمن بیانات کی بنیاد ایک دستاویز (Protocol of the Learned Elders of Zion) پر رکھی ہے۔ یہ ایک خفیہ روداد ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں نے مسیحیت کو تباہ کر دینے، جمہوری حکومتوں کا تختہ اُلٹنے، عالمی معیشت کو اپنے قبضے میں لینے اور دنیا پر تسلط جمانے کی سازش کی ہے۔ یہ خفیہ دستاویز روس سے نکلی، پھر امریکا میں 1920ء میں ہنری فورڈ کے (Dearborn Independent) میں انٹرنیشنل یہودی کے عنوان سے شائع ہوئی۔

1930ء کے آخری عشرے میں بنیاد پرستوں کی ایک خاصی تعداد نے یہ محسوس کیا کہ جو لوگ یہودیوں کی بین الاقوامی سازش کا بہت چرچا کرتے اور ان کے خلاف قوانین پر اصرار کرتے ہیں وہ تو کچھ نازیوں کے ہمدرد لگتے ہیں۔ یہ بات کلیسا کے مورخ ٹموتھی ویبر (Timothy Weber) نے کہی۔ انہوں نے مزید کہا: ''1940ء کے عشرے میں جبکہ جنگ شروع ہو گئی تھی اور یہودیوں کے خلاف ہٹلر کی نسل کشی کی مہم جاری تھی وہ بنیاد پرست جو صیہونیت کی مخالفت میں سرگرم تھے اس سے الگ ہو گئے۔''

1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد وہ تمام لوگ جو یہودیوں پر ایک بین الاقوامی سازش تیار کرنے کا الزام دھرتے تھے، اب بدل گئے تھے۔ صیہونیت کے مخالف تو وہ اب بھی تھے لیکن ذرا مختلف انداز میں۔ اب ان کا طریقہ قدرے عیارانہ، مشفقانہ اور سرپرستانہ ہو گیا تھا۔ ان کے لیے اب وہ ''محبت'' کے جذبات رکھتے تھے، ساتھ ہی ممنون بھی تھے کہ آخر یہودی اب وہی کچھ کر رہے تھے، جس کی ان سے توقع جاتی تھی یعنی پولینڈ، روس، جرمنی، امریکا، انگلینڈ ہر جگہ سے نکل رہے تھے اور دوبارہ اسرائیل بنانے کے لیے فلسطین جا رہے تھے۔ یہ بات چونکہ بنیاد پرستی کے عقیدے سے پوری طرح ہم آہنگ تھی اس لیے وہ یہودی ریاست کے پُرجوش حامی بن گئے۔ وہ یا کوئی اور شخص اگر فرانس، انگلینڈ، جرمنی، اٹلی یا امریکا کو ہدف تنقید بناتا ہے یا دنیا کے کسی بھی ملک پر تنقید کرتا ہے تو کرتا رہے کہ یہ معاملہ سیاست کا ہے لیکن اسرائیل پر تنقید کرنا

گویا خدا پر حرف گیری کرنا ہے۔

برطانیہ کا ایک مخیر شخص لارڈ شیفٹس بری (Lord Shaftsbury) (1801-1885) بنیاد پرستوں (Dispensationalist) کے ابتدائی لوگوں میں شامل تھا، وہ بھی ایک الگ مثال تھا۔ اس کی شہرت عظیم مصلح کی تھی۔ وہ مزدوروں کے بچوں کے ساتھ انسانی سلوک اور ذہنی مریضوں اور قیدیوں کے ساتھ ہمدردانہ رویے کی وکالت کرتا تھا۔ اس نے بھی یہ دیکھ لیا کہ یہودی، عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے خدائی منصوبے کی تکمیل میں کلیدی کردار ادا کر رہے تھے۔ اس نے کتاب مقدس کی تفسیر اس طرح کی کہ عیسیٰ کی دوبارہ آمد اس وقت ہوگی جب یہودی ایک مرتبہ پھر اسرائیل میں آباد ہو جائیں گے۔

ڈونلڈ ای ویگنر دینیات کے پروفیسر اور ایک پادری (Presbyterian Minister) تھے۔ انہوں نے لکھا ہے: ''یہودیوں کا وجود عیسائیوں کی نجات کے لیے لازمی ہے۔'' اس کے علاوہ انہوں نے فلسطین میں یہودیوں کی آمد کو کاروبار کے لیے نفع بخش سمجھا۔ شیفٹس بری (Shaftsbury) نے کہا کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک مضبوط مرکز جس پر انگریزوں کا اختیار ہو مشرق بعید ان کے لیے فائدہ مند ہوگا اور برطانیہ فرانس کو یہاں سے بے دخل کر دے گا۔ اس سے برطانیہ کو ہندوستان میں داخلے کا سیدھا راستہ مل جائے گا اور وسیع کاروباری منڈیاں، برطانیہ کے اقتصادی مفادات کے لیے کھل جائیں گی۔''

ویگنر اپنی کتاب (Anxious for Armagaddon) میں لکھتے ہیں کہ اسے محض اتفاق نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ سیاسی مقاصد برطانوی دفتر خارجہ کے مقاصد سے ہم آہنگ ہیں۔

ویگنر آخر میں لکھتے ہیں: شیفٹس بری اپنی طرز کا ایک الگ (Dispensationalist) تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سارے یہودی اسرائیل کی تخلیق کے لیے فلسطین پہنچ جائیں لیکن وہ یہودی کو بطور یہودی پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ انہیں ''مغرور اور سیاہ دل'' کہتا تھا۔ ایسے لوگ جو اخلاقی گراوٹ، ہٹ دھرمی اور کتاب مقدس سے لاعلمی میں مبتلا ہیں۔''

یہودیوں کے لیے آخری جنگ عظیم
(Armageddon)

کلائیڈ میرے ہم سفر نے جو سامنے کھڑا امیگڈا کی وادی کو دیکھ رہا تھا مجھے بتا رہا تھا ''یہی وہ مقام ہے جہاں عیسیٰ غیر کی طاقتوں کو لے کر شر کے خلاف جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا، یہودیوں میں سے دو تہائی ہلاک ہو جائیں گے اور اس کے لیے (Zechariah 13:8-9) کا حوالہ دیا پھر کچھ ٹھہر کر حساب کرتا رہا اور بتاتا رہا کہ نوے لاکھ یہودی ہلاک ہوں گے۔'' دو دو سو میل تک اتنا خون ہوگا کہ بلندی میں گھوڑوں کی باگ تک پہنچ جائے گا۔

اس منظر نامے کا قیاس کر کے جب میں اپنی تشویش ظاہر کرتی ہوں تو کلائیڈ کہتے ہیں ''خدا یہ سب اپنے قدیمی باشندوں، یعنی یہودیوں کے لیے کرتا ہے۔ انہوں نے (Tribulation) یعنی شدید آفت کی مدت سات سال مقرر کی ہے تاکہ اس عرصے میں یہودیوں کی تطہیر ہو جائے تاکہ وہ عیسیٰ کو پہچان لیں اور انہیں روشنی نظر آ جائے۔''

لیکن میں پوچھتی ہوں کہ خدا نے انہی لوگوں کو جو اس کے ''پسندیدہ بندے'' ہیں، ان کی بیشتر تعداد کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے کیوں منتخب کیا ہے؟

کلائیڈ کہتے ہیں ''خدا چاہتا ہے وہ اس کے واحد بیٹے یعنی ہمارے آقا حضرت عیسیٰ کے آگے جھک جائیں۔''

''لیکن تھوڑے سے ہی لوگ بچ جائیں گے، کیا اسی لیے کہ وہ مردوں کو دفن کرنے کے لیے ہوں گے؟''

کلائیڈ کہتے ہیں ''جی ہاں۔ ایک لاکھ 44 ہزار افراد بچ جائیں گے تب وہ عیسائیت قبول کر لیں گے۔''

Armageddon کی جنگ کے بعد صرف ایک لاکھ 44 ہزار یہودی زندہ بچیں گے۔ یہ لوگ جن میں مرد، عورتیں اور بچے شامل ہوں گے، حضرت عیسیٰ کے آگے جھک جائیں گے۔

چونکہ نئے نئے عیسائی بنیں گے، اس لیے ان میں سبھی بالغ افراد فوراً عیسیٰ کے فرامین کی تبلیغ شروع کردیں گے۔ اس کا تصور کیجیے، گویا ایک لاکھ 44 ہزار یہودی بلی گراہم ہوں گے، جو تبلیغ پر ایک دم چل پڑیں گے۔

(مصنف اور لیکچرر ہال لنڈسے)

جب تک مسیحیت قبول نہیں کرتے یہودی ''روحانی طور پر اندھے'' رہیں گے۔

جیری فال ویل Listen America میں

یہودیوں کی ایک امریکی تنظیم Zionist Organisation of America کے صدر لیلک رسنک نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ وہ یہودیوں اور بنیاد پرستوں کے اتحاد کی تائید کرتے ہیں۔ جون 1984ء میں یروشلم میں مذکورہ بالا تنظیم کی لیڈر شپ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے رسنک نے کہا ''ہم اسرائیل کے لیے عیسائیوں کی امداد کا خیر مقدم کرتے ہیں، اسے قبول کرتے ہیں اور ایسے عیسائیوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔'' ایک اور مقرر لیزان ہیری ہروز نے جو وزیراعظم کے دفتر کے باہر کام کرتے ہیں کہا اسرائیل دائیں بازو کے عیسائیوں کی امداد کو خوش آمدید کہتا ہے ''عیسائی بنیاد پرست کم و بیش سبھی اسرائیل کے حمایتی ہیں اور جب لوگوں کو حمایت کے لیے تیار کرنا ہو تو ہم اس میں انتخاب نہیں کرتے (سب کو ساتھ ملا لیتے ہیں)''۔

ربینیکل کونسل (Rebbinical Council) نے عیسائی بنیاد پرستوں کے ساتھ اتحاد کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ربی ابیز دلس کو جدید بنیاد پرست عیسائی (New Chirstian Right) کے ساتھ رابطے کے لیے مقرر کیا۔

اس اتحاد کی حمایت کرنے والے امریکی یہودی رہنماؤں میں ربی سیمور سیگل جو جیوش تھیولو جیکل سیمناری سے وابستہ ہیں، واشنگٹن ہیبریو کانگریگیشن (ریفارم) کے ربی جوشوا ہیبر مین، ربی برونر، جو بلز، ہیزیڈک کیونٹی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہیں، نیشنل کونسل آف ینگ اسرائیل (Orthox) کے صدر ڈاکٹر ہیرلڈ جیکبس اور امریکا میں اینٹی ڈی فیمیشن لیگ کے ربی ڈیوڈ

پینز (David Panitz) یہ سب شامل ہیں۔

جوشیلے یہودی لیڈروں اور عیسائی بنیاد پرستوں نے اس بات پر اتحاد کرلیا ہے کہ وہ ایک ہی کلیے پر عمل کریں گے، یہ کلیہ روحانی اقتدار یا ایک پاکیزہ زندگی گزارنے سے اس قدر متعلق نہیں، جتنا سیاسی اقتدار اور دنیاوی املاک سے متعلق ہے۔ یعنی لوگوں کا ایک گروہ اس مقدس سرزمین کو جہاں تین مذاہب نے آنکھیں کھولیں، عملاً اپنے قبضے میں لیے بیٹھا ہے اور یہ کلیہ (اصول) تمام تر ایک چھوٹی سے سیاسی اقلیت، یعنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ یہودی لیڈر اور بنیاد پرست عیسائی دونوں، زمینوں پر قبضہ جمائے لیے جا رہے ہیں، جو ان کی زندگی میں تمام تر ترجیحات کے مقابلے میں اول نمبر پر ہے۔ یہ ایک مذہبی فرقہ بن گیا ہے اور ان میں ہر گروہ مجنونانہ طریقے سے اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لیے کام کر رہا ہے۔

شہ زور، شہ زور سے مل رہے ہیں۔

ڈینور (کولوریڈو) میں ایک بنیاد پرست مسیحی لیڈر ڈگلس کریگر ہیں، وہ ٹیری ہوور کے ساتھ مل کر یروشلم میں مسجد اقصیٰ کو ڈھا دینے اور اس جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ اسرائیل پر دباؤ ہے کہ یہ جلدی ہونا چاہیے۔ اسرائیل کی امداد کے عوض انہوں نے ایونجلک بنیاد پرست عقیدہ اختیار کرلیا ہے۔

ایک طویل تجزیاتی مقالے میں جو اسرائیل اور یہودی رہنماؤں کے لیے تیار کیا گیا ہے، گریگر نے کہا ہے کہ ان کی جارحانہ جنگ کے دو نتائج نکل سکتے ہیں۔ (اسرائیل) ''جنگ سے حاصل شدہ زمین'' چھوڑ کر امن کی خاطر باہر آجائے جیسا کہ اقوام متحدہ کے منشور اور اس کی قرارداد نمبر 424 اور 328 میں کہا گیا ہے یا اس سے بھی بڑی فوجی طاقت پر انحصار کرتا رہے۔

اگر اسرائیل نے دوسرے طریقہ کا انتخاب کیا اور اپنی فوجی تیاری بھرپور طور پر جاری رکھی، جس کا تقاضا قدامت پرست کریگر نے کیا ہے تو اس صورت میں اسرائیل اور امریکی یہودیوں کے لیے صیہونیت کے خلاف جنگ چھڑ جانے کا خطرہ درپیش ہوگا۔

عربوں کے علاقوں پر اسرائیل کے فوجی قبضے کی وجہ سے ''مغرب میں بھی صیہونیت دشمن

تحریک میں ابال آسکتا ہے۔"

البتہ اسے ردکا جاسکتا ہے، کریگر کے بیان کے مطابق نیو کرسچن رائٹ (New Christian Right) کے ساتھ اتحاد کی بنا پر انہوں نے بتایا کہ اسرائیل ایونجلک بنیاد پرستوں کو استعمال کرتے ہوئے ان کے ریڈیو اور ٹی وی کے وسیع نیٹ ورک کے ذریعے خود کو اس طرح بنا کر پیش کرے کہ امریکی اسے قبول کریں اور اس کی حمایت کرنے لگیں۔

اس کے علاوہ کریگر نے کہا "دائیں بازو کے مذہبی عناصر (Religious Right) کو یہ باز و کرا سکتے ہیں کہ خدا خود بھی ایک شہ زور اور جنگ جو اسرائیل کو پسند کرتا ہے اور یہ کہ اسرائیل جتنا زیادہ شہ زور ہوگا امریکا کے دائیں بازو والوں کی امداد اتنی ہی زیادہ اسے حاصل ہوگی۔"

عیسائی دایاں بازو (Christian Right) اور سیاست

☆ کرسچن رائٹ اور مشرقِ وسطیٰ کی سیاست۔

دوسری عالمی جنگ کے آخری دنوں میں صدر روز ویلٹ نے سعودی عرب کے شاہ عبدالعزیز سے ایک بحری بیڑے پر ملاقات کی۔ یہودیوں پر ہٹلر اور نازیوں نے بہت ظلم کیے تھے۔ روز ویلٹ نے شاہ سے کہا۔ انہیں ایک وطن کی سرزمین چاہیے، فلسطین کے بارے میں کیا خیال ہے؟ شاہ نے جواب دیا: "فلسطین نے تو یہودیوں پر ظلم نہیں کیے۔ نازیوں نے ظلم کیے ہیں۔ نازیوں نے جو کچھ کیا، اس کی سزا فلسطینیوں کو دینا غلط ہوگا۔ میں اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ ایک قوم سے اس کی سرزمین چھین کر دوسرے کو دے دی جائے۔"

مفاد پرست عیسائیوں کے احساسات مختلف تھے۔ انہوں نے کہا یہ یہودی فلسطین جا رہے ہیں۔ جہاں کچھ یہودیوں نے دو ہزار سال گزارے ہیں۔ فلسطین میں ان کی آمد کا مطلب ہوگا "بائبل کی پیش گوئی کی تکمیل۔"

1949ء میں صدر ٹرومین ان پہلے لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے یہودی ریاست کو تسلیم

کیا۔ اس وقت امریکی یہودیوں کی بڑی اکثریت ایک یہودی ریاست کے قیام پر اصرار نہیں کر رہی تھی اور بہت سے لوگوں نے جن میں نیویارک ٹائمز کا پبلشر آرتھر ہیز سلبر گر بھی شامل تھا اس کی مخالفت کی۔ لیکن با اثر یہودیوں نے صدر ٹرومین کے کان بھرے اور ان کا ووٹ (یہودی ریاست کی حمایت میں) حاصل کر لیا۔ یہودی ریاست کو تسلیم کر کے صدر ٹرومین نے گرم گفتار اور جاں نثار قسم کے، یہودیوں کو اور اس کے ساتھ ہی امریکی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کو خوش کر دیا لیکن ایسا کرتے وقت انہوں نے لاکھوں، کروڑوں انسانوں کے مطالبے کی نفی کر دی جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی سرزمین سے بے دخل کیے جانے کی مخالفت کر رہے تھے۔

☆ 1956ء میں اسرائیل نے فرانس اور برطانیہ کی مدد سے بھرپور حملہ کر دیا۔ اسرائیلی سینائی پر قبضہ کرنا چاہتے تھے فرانسیسی اور انگریز نہر سوئز پر قبضے کے خواہشمند تھے۔ صدر آئزن ہاور کی سرکردگی میں امریکی حکومت نے اس کارروائی کی مخالفت کی۔ آئزن ہاور وہ اکیلے اور واحد امریکی صدر تھے جنہوں نے اتنا جرأت مندانہ اقدام کیا، اس عام عقیدے کے خلاف جسے خدائی تائید حاصل تھی اور اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دیا کہ امریکا اسرائیل کے ہر اقدام کی ضرور تائید کرے۔

☆ 1967ء میں امریکا نے یہ رسم شروع کی کہ امریکی یہودی اسرائیل کے اندر انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں جبکہ امریکا کی سپریم کورٹ نے جس میں جسٹس ابیے فورٹس جو امریکی یہودیوں میں ایک نہایت با اثر شخص تھے، ایک [illegible] فیصلہ دیا اور ایک امریکی شہری بیز افرویم کے اس حق کی توثیق کر دی کہ وہ اسرائیل کے (Knessit) کے انتخابات میں اور دیگر سیاسی انتخابات میں بھی حصہ لے سکتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے امریکا میں 1940ء کے نیشنلٹی ایکٹ کی رو سے جو شخص کسی غیر ملک میں وہاں کے سیاسی انتخابات میں حصہ لے گا وہ امریکی شہریت سے محروم ہو جائے گا۔

☆ 1967ء میں اسرائیل نے اپنے عرب ہمسایوں پر حملہ کر دیا، امریکا کا ایک جہاز (U.S.S Liberty) بحیرہ روم میں جاسوسی پر متعین تھا، اسرائیل نے اس خوف سے کہ امریکی جہاز شاید مداخلت کرے گا، اسے تارپیڈو سے تباہ کر دیا، جس میں 134 امریکی جہازی ہلاک اور

171 زخمی ہوگئے۔ اسی سال میں صدر جانسن کے لیے ایوان صدر میں ایک محرر کے طور پر کام کر رہی تھی مجھے اس حملے کا علم نہ تھا، نہ امریکی عوام کو اس کی خبر تھی۔ جانسن کو علم تھا، لیکن وہ بجائے اس کے کہ اسرائیل پر نکتہ چینی کرتے ان لوگوں سے مل گئے جنہوں نے امریکی عملے کو ہلاک کیا تھا۔ لبرٹی جہاز کو تارپیڈو کر کے ناکارہ کرنے کے بعد کہ آئندہ وہ اسرائیل کے منصوبوں کی سن گن نہیں لے گا، اسرائیل نے شام پر حملہ کر دیا اور اس کی گولان کی پہاڑیاں اپنے قبضے میں لے لیں۔ (USS Liberty) کے لیفٹیننٹ جیمز اینس نے کہا ہے کہ ''کسی بھی امریکی عہدیدار نے حکومت میں رہتے ہوئے اسرائیل کے اعلانیہ حملے کی کبھی بھی مذمت نہیں کی۔''

☆ 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے گولان کی پہاڑیوں کے علاوہ سینائی پر بھی فوجی قبضہ کر لیا۔ یہ جگہ دریائے اردن کے مغرب میں ہے (ویسٹ بینک کے نام سے معروف ہے)۔ سینائی کے ساتھ غزہ کی پٹی اور یروشلم کے عرب مشرقی حصے بھی قبضہ جما لیا۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت جو زمین فوجی حملے میں چھینی گئی ہو، اس پر قبضہ قانونی طور پر جائز نہیں۔ دائیں بازو کے مذہبی عناصر کہتے ہیں کہ بین الاقوامی قوانین تمام اقوام عالم پر لاگو ہوتے ہیں لیکن اسرائیل پر نہیں۔ جیری فارویل اسرائیل کے رہنماؤں سے کہتے ہیں کہ آپ کو بین الاقوامی قانون پر کاربند ہونے کی ضرورت نہیں۔

☆ اسرائیلی حکومت نے عرب مشرقی یروشلم پر غیر قانونی قبضے کی مخالفت کے پیش نظر 1980ء میں پیش بندی کے طور پر دائیں بازو کی ایک مسیحی تنظیم بنائی جس کا نام انٹرنیشنل کرسچن ایمبیسی (International Christian Embassy) ہے۔ اسرائیلی حکومت نے ایک پر شکوہ عمارت جہاں پہلے سعید خاندان رہتا تھا اور جس کے مالک کا بھتیجا ایڈورڈ سعید ہے۔ مذکورہ ایمبیسی کے حوالے کر دی۔ وہ لاکھوں فلسطینی جنہیں اپنے گھروں سے بے دخل کیا گیا اور جو اب جلاوطنی اور بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں، سعید خاندان بھی انہی میں شامل ہے۔

اس نو ساختہ کرسچن ایمبیسی کے آغاز پر اسرائیلیوں اور عیسائی صہیونیوں نے بڑی بڑی تقریبات کیں جن میں سرکردہ اسرائیلی عہدیداروں نے اور ایک ہزار عیسائیوں نے جو

23 ملکوں کی نمائندگی کر رہے تھے، شرکت کی۔ میں نے دو مواقع پر وہ جگہ دیکھی، جو اسرائیل کے مفروضے کے مطابق آرمیگیڈن کے حامیوں کی سرزمین ہے۔

میں نے جنوبی افریقہ کے ایک عیسائی جوہن لک ہاف سے ملاقات کی، انہوں نے بتایا کہ شدت جذبات سے اس وقت میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ میں تو بڑا فخر محسوس کروں گا اگر میرا بیٹا عربوں سے آمادۂ جنگ ہوا اور اسرائیلی یونیفارم پہنے ہوئے ہلاک ہو جائے۔ تمام بنیاد پرستوں کی طرح انہوں نے بھی اسرائیل کی پرستش شروع کر دی ہے۔ ایسا کرتے دیکھ کر اسرائیلیوں نے اسے ازراہ مذاق سب سے ''زیادہ اسرائیلی'' قرار دیا ہے۔ یروشلم سے نکل کر کرسچن ایمبیسی کے سرکردہ ارکان دنیا بھر میں پھیل گئے اور اسرائیل کی مدد کے لیے اور بھی جگہ جگہ ''مسیحی ایمبیسی'' کھولنی شروع کر دیں جن کے واضح سیاسی مقاصد تھے اور ان میں سے بعض کے خفیہ مشن بھی تھے۔ یہ ایمبیسیاں، یورپ، امریکا، ایشیا اور آسٹریلیا سمیت دنیا کے 37 ملکوں میں قائم ہیں اور امریکا میں تو اس کے بیس دفاتر ہیں۔

☆ اسرائیل نے 1982ء میں اپنے شمالی ہمسائے لبنان پر ٹینک لے کر چڑھائی کر دی۔ اس حملے کی قیادت ایریل شیرون کر رہا تھا۔ پیٹ رابرٹسن مشہور عیسائی پادری ایک اسرائیلی جیپ میں سوار اس حملے میں شریک تھا۔ اس جنگ میں اسرائیل نے دو لاکھ لبنانیوں اور فلسطینیوں کو جو بیشتر عام شہری تھے ہلاک کر دیا۔ رابرٹسن نے کہا کہ اسرائیل اپنے ہمسائے کے خلاف جنگ کرتے وقت خدا کی رضا پوری کر رہا ہے۔

رابرٹسن نے خود تو جنگ نہیں کی لیکن امریکی یہودیوں نے اسرائیل کی یونیفارم پہنی اور اسرائیلی سپاہیوں کے شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لیا۔ یروشلم کے ایک یہودی مصنف اسرائیل شاہک کا بیان ہے کہ ''اسرائیل دنیا کا واحد ملک ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی جنگوں میں امریکی شہری بھی حصہ لیتے ہیں۔ امریکی انتظامیہ کی خصوصی اجازت سے امریکی یہودی اسرائیلی فوج میں رضا کار کے طور پر خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ اگرچہ لبنان پر 1983ء کے حملے میں امریکی یہودی خاصی بڑی تعداد میں رضا کار کے طور پر بھرتی ہوئے تھے لیکن اسرائیل کی سنسر

شپ میں ان کا ذکر ممنوع قرار پایا اس لیے وہ امریکی میڈیا کی نظروں سے اوجھل رہے۔

☆ 1985ء میں جیری فال ویل نے میامی میں ایک قدامت پسند (Rabbinical Assembly) سے خطاب کرتے ہوئے یہ عہد کیا کہ وہ "اسرائیل کی خاطر سات کروڑ قدامت پرست عیسائیوں کو عمل پر آمادہ کریں گے۔" انہوں نے شمالی کیرولینا کے سینیٹر جیسی ہیلمز کو اسرائیل کا ایک نہایت پختہ حلیف بنانے کا سہرا اپنے سر باندھا ہے۔ ہیلمز اس کے فوراً بعد سینٹ کی فارن ریلیشنز کمیٹی کے چیئرمین بنا دیئے گئے۔

☆ اگست 1985ء میں کرسچن یہودی کانگریس کی پہلی کانگریس میں شرکت کی، اس کانگریس کے محرک اسرائیلی بنیاد پرست عیسائی تھے۔ کانگریس سوئٹزرلینڈ میں باسل کے مقام پر اسی ہال میں ہوئی، جہاں 88 سال پہلے تھیوڈر ہارزل نے جو ایک سیکولر یہودی اور آسٹریا کے صحافی تھے، تمام یہودیوں سے اپیل کی تھی کہ یہودی صرف اپنوں کے درمیان انہی کے ساتھ رہیں۔ انہوں نے پہلی یہودی کانگریس (Jewish Zionist Congress) کا انعقاد کیا۔

اس سہ روزہ کانگریس میں جہاں 27 ملکوں سے آئے ہوئے لوگ شامل تھے، انہی کے درمیان 589 افراد کے درمیان ایک میں بھی تھا۔

ہم یومیہ بارہ گھنٹوں کے مشن میں ملتے رہے۔ ہم نے سرکردہ اسرائیلیوں اور عیسائی لیڈروں کی گفتگو سنی۔ ہم نے مجموعی طور پر 36 گھنٹے تینوں دنوں کے مشن میں گزارے اور میرا اندازہ ہے کہ مندوبین نے 99 فیصد وقت سیاسی مباحث میں گزارا۔ کانفرنس کو حضرت عیسیٰ سے کوئی سروکار نہ تھا، ساری بات اس بات پر ہو رہی تھی کہ اسرائیل، بنیاد پرستوں کے سیاسی ایجنڈے کی کس طرح حمایت کر سکتا ہے اور اس کے جواب میں وہ بھی اسرائیلیوں کے سیاسی ایجنڈے کی حمایت کریں گے۔

☆ 1991ء میں امریکا نے عراق کے خلاف جنگ چھیڑ دی جس نے اپنے ہمسائے کویت پر حملہ کر دیا تھا۔

عراق پر اس طرح بمباری ہوئی کہ بعض لوگوں کے بقول اسے "پتھر کے زمانے میں"

پہنچا دیا۔ اس کے پاس کوئی ایٹمی اسلحہ نہیں ہے اور اسرائیل کے پاس سی آئی کے بقول 1927ء سے ایٹمی اسلحہ موجود ہے، اس وقت اس کے ذخیرے میں 200 سے زیادہ ہتھیار ہیں۔

☆ اسرائیل کے نومنتخب وزیر اعظم نیتن یاہو نے 1996ء میں ایک اسرائیل کرسچن ایڈووکیسی کونسل بنائی۔ انہوں نے ایونجیلک چرچ کے 17 قائدین اور بنیاد پرست رہنماؤں کو اسرائیل آنے کی دعوت دی، ان میں ایونجلز کی نیشنل ایسوسی ایشن کے صدر ڈونی آرگو، نیشنل ریلجس براڈ کاسٹرز کے صدر برانڈٹ گستادسن اور امریکی فیملی ایسوسی ایشن کے صدر ڈونلڈ ولڈمن شامل تھے۔ ان قائدین نے جو کئی لاکھ عیسائیوں کی نمائندگی کر رہے تھے، اس عہد نامے پر دستخط کیے کہ "امریکا اسرائیل کا ہرگز ہرگز کبھی ساتھ نہیں چھوڑے گا۔"

☆ 10 اپریل 1997ء بنیاد پرست عیسائیوں (Dispensationalist Christians) نے دی نیویارک ٹائمز میں اسرائیل کی حمایت میں ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے موقف کی تائید کے لیے بائبل کا متن شامل تھا کہ "یروشلم تین ہزار سال تک صرف یہودی عوام کا روحانی اور سیاسی دارالحکومت رہا ہے۔" اس اشتہار پر دستخط کرنے والوں میں پیٹ رابرٹسن، رالف ریڈ جو اس وقت کرسچن کولیشن کے ڈائریکٹر تھے، ریلجس راؤنڈ ٹیبل کے ای کی میٹیر اور فال ویل شریک تھے۔

☆ جنوری 1998ء فال ویل نے وزیر اعظم نیتن یاہو اور اسرائیل کے مسیحی حلیفوں کے درمیان ایک ملاقات کا اہتمام کیا جس میں جنوبی بیپٹسٹ کونشن کے لیڈر سارس چیپ من اور رچرڈ لینڈ اور سین انٹونیو کے جان ہیگی بھی شامل تھے۔ عیسائیوں نے اس موقع پر عہد کیا کہ وہ کلنٹن انتظامیہ کے خلاف دوسرے عیسائیوں کو متحرک کریں گے تاکہ وہ اسرائیل پر فلسطینی علاقے سے نکلنے کے لیے دباؤ نہ ڈالیں۔ فال ویل نے نیتن یاہو سے کہا "امریکا میں دو لاکھ ایونجیلک پادری رہتے ہیں اور ہم ان سے ای میل، فیکس، ٹیلی فون اور ڈاک کے ذریعے برابر کہہ رہے ہیں کہ اپنے اپنے منبر پر جائیں اور اسرائیلی ریاست اور اس کے وزیر اعظم کی حمایت کیلیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔"

☆ اپریل 1989ء میں وزیراعظم نیتن یاہو نے نیشنل یونٹی کولیشن برائے اسرائیل کے عیسائی حلیفوں سے خطاب کیا۔ ان میں پرسپیکٹ منسٹریز کے کے آرتھر، 700 کلیسا کے ٹیری میوسن، سدرن بیپٹسٹ کونشن کے صدر رچیگی، پیٹ رابرٹسن، کالم نگار کال تھامس اور سینیٹرز میں ٹرنٹ لاٹ اور سام براؤن بلیک اور نمائندوں میں ڈک آرمے، ڈک گیفرٹ اور ٹام ڈیلے شامل تھے۔ جیری فال ویل نے تقریر کی اور عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اسرائیل کی حمایت کرتے ہوئے کہنا چاہیے کہ یروشلم پر ان کا پورا پورا حق ہے۔

☆ اپریل 1998ء اسرائیل اور مذہبی دایاں بازو، دونوں ایک بار پھر آن ملے نیتن یاہو نے اسرائیلی کانفرنس کی ''وائسز یونائیٹڈ'' سے خطاب کیا۔ انہوں نے تین ہزار ایونجلیک عیسائیوں کی حمایت کا وعدہ لیا۔ ان میں کرسچن کولیشن کے رالف ریڈ، پرسپیکٹ منسٹریز کے کے آرتھر، ویمنز اینگلر کے جین ہین سن اور نیشنل ریلیجیس براڈ کاسٹرز کے برانڈٹ گستاوسن شامل تھے۔ اسرائیلی لیڈروں نے اپنی تقریر میں کہا ''اس ایوان میں جو لوگ بیٹھے ہیں، ان سے بڑا ہمارا کوئی اور دوست اور حلیف نہیں ہو سکتا۔''

☆ 1998ء میں جان ہیگی نے جو سینٹ انٹونیو میں ایک بنیاد پرست پادری ہیں اسرائیل کے لیے دس لاکھ ڈالر اکٹھا کیے تا کہ فلسطین کی سرزمین پر روس کے یہودیوں کو نئے سرے سے آباد کیا جاسکے۔ اس سوال کے جواب میں کہ یہ منصوبہ کیا ان کے خیال میں بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی نہیں؟ ہیگی نے جواب دیا ''میں بائبل کا اسکالر (عالم) ہوں اور علوم دین کا ماہر ہوں اور میری اپنی بصیرت کے مطابق خدا کا قانون امریکی حکومت اور امریکا کی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے قانون سے بالاتر ہے۔''

☆ 1998ء اسرائیل نے فلسطینیوں کے ساتھ جو معاہدہ امن (Wye Peace Accord) کیا تھا، اسے مسترد کرتے ہوئے معاہدے کی شرائط پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیا۔ کرسچن کولیشن کے لیڈروں نے اسرائیل کو بہت سراہا کہ اس نے امن کو مسترد کرتے ہوئے سخت رویہ اختیار کیا۔

☆ 1998ء، صدر کلنٹن نے امریکی نژاد جوناتھن جے لارڈ کی رحم کی اپیل پر نظر ثانی کا امکان ظاہر کیا۔ امریکی حکام کی اطلاع اس ایک شخص نے امریکا کے اتنے راز چوری کیے تھے جو امریکا کی پوری تاریخ میں کسی اور جاسوس نے چوری نہیں کیے تھے۔ پولارڈ نے جو ایک امریکی یہودی ہے کہا کہ اس نے یہ کام ''اپنی (یعنی اسرائیل) کے مفاد میں کیا۔''

☆ 25 فروری 1999ء اسرائیل کی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ ایک یہودی جو اسرائیل میں کبھی نہیں رہا لیکن پناہ لینے کی غرض سے اسرائیل آ گیا۔ اسے مقدمہ چلانے کی غرض سے امریکا واپس نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اسرائیل نے امریکا کے ساتھ مجرموں کے تبادلے کا ایک معاہدہ (Extradition Agreement) کیا تھا۔ تاہم 1978ء کے ایک اسرائیلی قانون کے مطابق اسرائیل کے شہریوں کو مقدمہ چلائے جانے کی غرض سے ملک سے باہر نہیں بھیجا جاسکے گا۔ سپریم کورٹ کا مذکورہ فیصلہ جس میں 1978ء کے قانون کی بالادستی کی توثیق کی گئی تھی، اس وقت آیا، جب میری لینڈ کے ایک شہری سیموئیل شین بن پہ الزامات عائد ہوئے کہ اس نے اپنے ایک واقف کار الفرڈو کو قتل کرنے اور لاش کو جلانے کا جرم کیا تھا اور پھر بھاگ کر اسرائیل چلا گیا۔ استغاثہ کے امریکی وکیل نے کہا کہ شین بن ''یہیں پیدا ہوا، یہیں پلا بڑھا، اسکول گیا اور ساری زندگی اس نے یہیں گزاری۔''

یہودیوں نے ایک یہودی ریاست کی تشکیل میں اس تصور کو پیش نظر رکھا ہے کہ تمام یہودی (دنیا کے تمام ملکوں کے یہودی) سب سے پہلے اور از خود ایک یہودی ریاست کے شہری ہیں۔ نیویارک ٹائمز مطبوعہ 25 فروری 1999ء میں لکھا ہے کہ 1978ء کا یہ فیصلہ جس کے تحت کسی یہودی کو (جرم میں ماخوذ ہونے کی بنا پر) ملک سے باہر نہیں بھیجا جاسکے گا، اس نظریے کی عکاسی کرتا ہے کہ یہودیوں کو ''غیر یہودی عدالتوں کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔''

سپریم کورٹ نے کہا ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شین بن اسرائیل میں کبھی نہیں رہا، تاہم وہ یہودی تو ہے۔ اس کے بعد اسرائیل کے ساتھ اس کے تعلق اور اسے اسرائیلی شہری تسلیم کرنے کے لیے کسی درخواست کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

امریکی یہودی ''کرسچن رائٹ'' (دائیں بازو) کے عیسائیوں کی حمایت کیوں کرتے ہیں؟
اس کا بہت واضح جواب ناتھن پرل مٹر (Nathan Perlmutter) نے دیا ہے جو ایک ادارہ اینٹی ڈی فیمیشن لیگ سے وابستہ ہیں، وہ کہتے ہیں اول تو میں خود اپنے آپ کو ایک امریکن یہودی سمجھتا ہوں کیونکہ زندگی کے ہر مسئلہ کو ایک ہی پیمانے سے سوچتا ہوں وہ یہ کہ ''کیا یہ بات یہودیوں کے لیے اچھی ہے؟'' اس سوال سے مطمئن ہونے کے بعد میں دوسری باتوں کی طرف جاتا ہوں۔''

جیری فال ویل کے سلسلے میں ہر آزاد خیال یہودی کو ان کی مدد کرنی چاہیے کیونکہ وہ خود اسرائیل کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ ہے پرل مٹر کے لیے بنیادی مسئلہ۔ ممکن ہے کہ آزاد خیال یہودی فال ویل کی داخلی پالیسیوں سے متفق نہ ہوں، یعنی ایٹمی ہتھیاروں کے سلسلے میں، یا اسقاط حمل اور اسکولوں میں عبادت کے معاملے میں، پھر بھی پرل مٹر کا خیال ہے کہ ثانوی باتیں ہیں۔ اپنی ''امریکا صہیونیت دشمن'' میں وہ لکھتے ہیں۔

''دائیں بازو کے عیسائیوں کی ترجیحات جن سے آزاد خیال یہودی نمایاں طور پر اختلاف کر سکتے ہیں، اس کے باوجود وہ ان اختلافات کے ساتھ گزارہ کر لیں گے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی بات اتنی اہم نہیں، جتنا اہم اسرائیل کا وجود ہے۔'' پرل مٹر یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایونجلک بنیاد پرست قدیم صحیفے کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں گویا کہہ رہے ہوں کہ تمام یہودیوں کو بالآخر حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا ہوگا یا پھر وہ آرمیگاڈون کی جنگ میں ہلاک کر دیئے جائیں گے لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ''اسرائیل کی مدد کرنے کے لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ دوستوں کی ضرورت ہے۔ اگر مسیحا ظہور کرتے ہیں تو پھر اس روز سوچ لیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے اس دوران میں ہمیں خدا کی حمد کرنی چاہیے اور اسلحہ آگے بڑھانا چاہیے۔''

نیویارک میں یہودیوں کی دانشور برادری کے ایک سرکردہ ترجمان اروِنگ کرسٹول ہیں۔ وہ بھی امریکی یہودیوں سے یہ اصرار کرتے کہ جیری فال ویل کو مدد دیں اور دوسرے دائیں بازو کے بنیاد پرستوں سے تعاون کریں۔ وہ امریکی یہودیوں پر زور دے کر کہتے ہیں کہ لبرل ازم (آزاد روش) کو بھول جاؤ اور ''انتہا پسند دائیں بازو کے ساتھ مل جاؤ۔'' اس کا گمان ہے کہ ہر

شخص سمت میں جا رہا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ''حقیقی دنیا میں انتہائی قدامت پرستوں کی حمایت کر کے ہی یہودی فائدے میں رہیں گے۔''

کرسٹول کہتا ہے، جیری فال ویل نہایت سخت اسرائیل نواز ہے۔ بنیاد پرست مبلغ یقیناً کبھی کبھی کہتے دیتے ہیں کہ خدا یہودیوں کی مناجات نہیں سنتا لیکن ''یہودیوں کو کیا پڑی کہ ایک بنیاد پرست مبلغ کی دینیات پر دھیان دیں جبکہ وہ ایک پل کو بھی یہ نہیں مانتے کہ وہ مبلغ انسانی عبادت پر خدا کی توجہ کے بارے میں ذمہ داری کے ساتھ کچھ کہنے کا حق رکھتا ہے اور دین کے حوالے سے ایسی باتیں کیا معنی رکھتی ہیں جبکہ یہ حقیقت ہے کہ وہی مبلغ بڑی شد و مد سے اسرائیل کی حمایت کرتا ہے۔'' ایک ایسی دنیا میں جہاں تنازعے اور بربریت ہو۔ کرسٹول اس بات پر زور دیتا ہے کہ امریکی یہودی دائیں بازو کے مذہبی عناصر کے سماجی مسائل کو اپنے یہاں زیادہ جگہ دیں۔

جہاں تک روحانی اقتدار کے مقابلے میں سیاست کے زیادہ اہم ہونے کا معاملہ ہے، الیگزینڈر شنڈلر کا کہنا ہے کہ بیشتر یہودی رہنما ہر بات کو معاف کر دیں گے، اگر انہیں اسرائیل کے بارے میں کوئی اچھی خبر سننے کو مل جائے۔ شنڈلر ایک ریفارم (Reform) کے پادری اور یونین آف امریکن کانگریس کے صدر رہیں۔

عالمی یہودی تنظیم کے امریکی علاقے کے ایک سرکردہ رکن جیکوئس ٹارزنر (Jackques Torezner) نے اس سے بھی بڑھ کر کہا ہے کہ یہودیوں کے لیے دائیں بازو کے عیسائیوں کو اپنے سینے سے لگانا بالکل فطری بات ہے۔ ''سب سے پہلے تو ہمیں اس نتیجے پر پہنچنا ہے کہ دائیں بازو کے رجعت پرست ہی یہودیت کے دوست ہیں، نہ کہ آزاد خیال عناصر۔''

اسرائیل کا خود حفاظتی ایٹمی حملہ

برسلز میں ناٹو (NATO) کے ہیڈ کوارٹر میں میرے ساتھ ایک داخلی نوعیت کی مشاورت ہوئی۔ اس موقع پر ہمارے اسسٹنٹ ڈائریکٹر برائے دفاع اور ناٹو میں ہمارے سفیر رابرٹ ہنٹر دونوں نے مجھ سے اعتراف کیا کہ وہ مشرق وسطی میں ایٹمی تصادم کے

خطرے سے فکر مند رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ ناگزیر ہے۔ مشرق وسطیٰ میں امن کا معاملہ اندوہناک ہے۔ اسرائیل ایک ناگزیر نوعیت کی ایٹمی جنگ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب ہماری سلامتی کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے کہ حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی ایٹمی حملہ کردیں۔

(ایونجیلک چک مزلر، ویب سائٹ پر 15 مئی 1995ء)

اسرائیل اور عرب

عرب دنیا ایک عیسیٰ دشمن (Antichrist) دنیا ہے۔

(ویبر اینڈ ہچنگز Is this the last century? میں)

اگر امریکا نے کسی روز اسرائیل سے منہ موڑ لیا تو ہم ایک قوم کے طور پر زندہ نہیں رہیں گے۔

(مصنف لیکچرر پال لنڈسے)

دینی لحاظ سے ہر عیسائی کو چاہیے کہ اسرائیل کی حمایت کرے۔ اگر ہم اسرائیل کو تحفظ دینے میں ناکام رہے تو ہم خدا کے آگے اپنی اہمیت کھودیں گے۔ (جیری فال ویل)

بنیاد پرستی کے عقیدے کی رو سے "افریقہ، ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے پیچیدہ اور مختلف معاشروں کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ خدا کے اس عظیم اور بے پایاں ڈرامے میں یاجوج (Gog) کے رفیق بن کر اپنے کردار ادا کریں۔ یہ موقف بہت واضح ہے۔ پیشن گوئیوں کی ضرورت کا تقاضا ہے کہ عربوں کو نہ صرف یروشلم سے بلکہ مشرق وسطیٰ کے بیشتر خطوں سے نیست ونابود کردیا جائے۔ خدانے یہودیوں سے جو وعدے کیے ہیں، یہ ان وعدوں کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

(ہال بائز کی تصنیف When time shall be no more سے)

اسرائیل کی امداد

ہم امریکا کے ٹیکس دہندگان، اسرائیل کی چھوٹی سی ریاست کو ہر سال چھ بلین ڈالر کی بیرونی اور فوجی امداد دیتے ہیں۔ یہ رقم، ان رقوم کے علاوہ ہے جو لاکھوں ڈالر کی

صورت میں وفاقی بجٹ کی دوسری مدات کے ذریعے اسرائیل کو پہنچتی ہے۔

اسرائیل کے لیے امریکا کی امداد ہمیشہ ایک حساس موضوع رہا ہے۔ کانگریس کے ارکان مجموعی رقم کبھی نہیں بتاتے۔ غالباً اس لیے کہ اگر وہ اصل رقم بتادیں تو وفاق کی دوسری ریاستیں سوال کرسکتی ہیں کہ ان ریاستوں کے مقابلے میں، جن کی آبادی بھی اتنی ہی ہے اور اس کے شہری وفاقی حکومت کو ٹیکس بھی دیتے ہیں، اسرائیل کو متناسباً بہت زیادہ رقم کیوں دی جاتی ہے۔

1949ء سے 1995ء تک 46 سال کے عرصے میں امریکا کے ٹیکس دہندوں نے اسرائیل کو غیر ملکی امداد کی مد میں 6265 ملین ڈالر دیے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے دنیا کے سب سے چھوٹے ملکوں میں سے ایک ملک کو جس کی آبادی ہانگ کانگ کی آبادی سے بھی کم ہے امداد میں اتنی بڑی رقم دی ہے جو افریقہ اور لاطینی امریکا کے ملکوں اور کیریبین کو دی جانے والی امدادی رقم کے برابر ہے۔

ان ملکوں کو ملنے والی مجموعی رقم چالیس ڈالر فی کس ہے۔ جبکہ اسرائیل کو ملنے والی رقم دس ہزار سات سو پچھتر ڈالر فی کس ہے۔

وہ امداد سرکاری طور پر غیر ملکی امداد ہے۔ اس بجٹ سے باہر ایک خاص بڑی رقم ٹیکس دہندوں کی امداد کی مد میں اضافہ ہے۔ یہ اضافی رقم امریکی امداد یا غیر ملکی امداد چارٹ میں دکھائی نہیں جاتی۔ اسرائیل کو جو گرانٹ دی جاتی ہے اسے بجٹ کے اندر بہت سی ایجنسیوں کے درمیان دکھایا جاتا ہے، یعنی تجارت کے محکمے اور اطلاعات کی ایجنسی میں اور سب سے بڑی رقم پینٹاگون کے بجٹ میں نظر آتی ہے۔

اگر آپ ان اضافی گرانٹس کو جوڑیں تو ہم ٹیکس دہندوں نے اسرائیل کو 83 بلین ڈالر سے زیادہ رقم دی ہے۔ جو آج کل کے ایک اسرائیلی کو چودہ ہزار ڈالر سے بھی زیادہ امداد کے برابر ہے۔

(وزارت خارجہ کے سابق افسر ریچرڈ کرٹس کا بیان، وہ واشنگٹن رپورٹ برائے مشرق وسطیٰ کے مدیر ہیں)

اسرائیل پسندی کی سیاست

مناہم بیگن سے لے کر آج تک کوئی اسرائیلی وزیر اعظم امریکا کا دورہ کرنے کا اس وقت تک خیال بھی نہیں کرے گا جب تک وہ علانیہ اور نجی طور پر نیو کرسچن رائٹ (New Christian Right) کے لیڈروں سے ملاقات نہ کرے۔

گزشتہ بیس برس کی اصل کہانی یہ ہے کہ درجنوں چھوٹی اور ابتدائی نوعیت کی تنظیمیں، جن کا کوئی تذکرہ اخبار کی سرخیوں میں نہیں ہوتا، پیدا ہو گئی ہیں۔ وہ محض اس لیے قائم ہیں کہ مسیحی برادری کو اسرائیل کی امداد کے لیے برابر تیار کرتی رہیں۔

اٹلانٹا کی ریسٹوریشن فاؤنڈیشن سیمینار اور مذاکرے کرتے رہتی ہے "تا کہ یہودیت پر تمام عقیدت مندوں کا جو حق ہے اس کی بحالی اور پہلی صدی کے چرچ کی بازیابی" اور اسرائیل اور اس کے شہریوں سے محبت کو فروغ حاصل ہو۔

شیر وڈ (ارکنساس) میں ارکنساس انسٹی ٹیوٹ آف ہولی لینڈ اسٹڈیز قائم ہے وہ اپنی تشہیر ایک "خصوصی معالج" کے طور پر کرتا ہے اور مشرق وسطیٰ کی تاریخ کے موضوع پر بیچلر اور ماسٹرز کی ڈگری دیتا ہے۔" ہوسٹن کی ہیرائٹک ہیریٹیج وزارت چاہتی ہے کہ عیسائی ہفتے کے روز عبادت کریں اور یہودیوں کے تہوار منائیں۔

کولوریڈو اسپرنگس (Colorado Springs) کے ٹیڈ بیکٹ نے 1995ء میں ایک تنظیم "اسرائیلی برادریوں کے لیے اس کے عیسائی دوست" کے نام سے قائم کی تا کہ غزہ اور ویسٹ بینک میں یہودی آبادکاروں کو "یک جہتی، آرام اور امداد فراہم کرے" اور اس غرض سے ان آبادکاروں کا تعلق امریکا میں مسیحی اجتماعات کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ 1998ء تک 135 اجتماعات اس میں شامل ہوئے اور ان سب سے توقع کی جاتی ہے کہ اپنی اپنی برادری کے لوگوں میں اسرائیل کے بارے میں واقفیت پیدا کریں۔ Living in the shadows of second coming کے مصنف ٹموتھی پی ویبر کے حوالے سے۔

آرمیگاڈون: یہودیوں کے لیے

میں یہ جانتا ہوں کہ یہاں آپ میں سے بہت سے لوگ یہودیوں کو ناپسند کرتے ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کیوں؟ وہ محض اتفاقاً اس سے زیادہ رقم کما سکتا ہے، جتنی رقم آپ باضابطہ مقصد کے تحت کماتے ہیں۔

(جیر فال ویل)

عیسیٰ کا مخالف کون ہوگا؟ یقیناً وہ یہودی ہوگا۔ (جیری فال ویل)

ایک یہودی نے جو انٹرویو کر رہا تھا، مورل میجارٹی (Moral Majority) کے ایک ترجمان ڈین فور سے کہا، کیا ایسا ہے کہ میں اگر عیسیٰ کو نہیں مانوں گا تو جہنم میں جاؤں گا؟ فور نے جواب دیا "ہاں یہ بات درست ہے۔"

بیلی اسمتھ، سدرن، بیپٹسٹ چرچ (Souteern Baptist Church) کے ایک سابق سربراہ ہیں، انہوں نے کہا خدا عیسائیوں کی دعا سنتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسمتھ نے کہا خدا کسی یہودی کی دعا نہیں سنتا۔ دنیا نے یہودی سے ہمیشہ نفرت کی ہے اور میرا دل ان لوگوں کے لیے خون کے آنسو روتا ہے۔ (ٹی وی کے مبلغ جیک وین امپی)

پیش گوئی کے مطابق ایک ہی بات جو یہودیوں کی ہولناکی کو روک سکتی ہے، وہ اسرائیل کی ندامت اور توبہ ہے۔

(مصنف پال بائر کے ساتھ انٹرویو میں ڈوائٹ نیٹی کوسٹ کا بیان)

پادری جیری فال ویل کا بیان کہ ایک دجال جو مجسم بدی ہے اور وہ ایک یہودی ہے، زیادہ سے زیادہ صیہونیت کا مخالف اور اپنی بدترین صورت میں یہودیوں کا مخالف ہوگا۔ ایسا لگتا ہے کہ مسیحی اور یہودی کے درمیان سالہا سال کے مکالمے کے باوجود فال ویل نے ابھی تک کچھ نہیں سیکھا۔ (اینٹ ڈی میشن لیگ Ati Demation League کے نیشنل ڈائریکٹر ابراہم فاکس مین کا بیان)

دائیں بازو کا مسیحی اور امریکی یہودی

امریکی یہودی روایتی طور پر ان لوگوں سے مل گئے جنہوں نے نسلی امتیاز کی مصیبت جھیلی تھی، اس لیے کہ وہ اس طرح کی تفریق کا خود بھی شکار ہو چکے تھے۔ یہ لوگ آزاد طبع اور ایسے مقاصد کے لیے معاون ہوتے جن میں آزادی اور کشادگی ہوتی لیکن 1967ء کے بعد جب اسرائیل نے عربوں کے علاقوں پر قبضہ جما لیا جسے بعد میں وہ خالی کرنا نہیں چاہتے تھے تو یہودی ریاست رفتہ رفتہ دائیں بازو کی قدامت پرستی کی طرف مائل ہوتی گئی۔ امریکی یہودیوں کی اولین ترجیح اسرائیل کو مدد دینا تھا، چنانچہ وہ بھی اس طرف جھک گئے۔

اروِنگ ہاؤ اور برنارڈ روزن برگ نے (The New Conservatives) نامی تصنیف میں لکھا ہے کہ "اس پیچیدہ صورتحال کو سمجھنا چاہیے کہ جہاں تک اسرائیل کے معمول کے کاروبار کا تعلق ہے۔ اسے اپنے کام کرتے رہنا چاہیے اور ایک ریاست کے طور پر دوسری ریاستوں کے ساتھ معاملات کرنے چاہئیں لیکن اس کا اثر امریکی یہودیوں پر لازماً قدامت پرستانہ ہوگا۔"

امریکی یہودی، قدامت پرستی میں یہاں تک پہنچ گئے کہ انہوں نے اسرائیل کے دائیں بازو اور مسیحیوں کے دائیں بازو والوں کو سمجھ لیا کہ وہ کٹر قوم پرست اور جنگجو ہیں اور دونوں کا مسلک اسرائیل کے وجود سے اور اس سرزمین سے جڑا ہوا ہے۔

دائیں بازو کے عیسائی The Christian Right
اور اندرون ملک کی سیاست

بعض لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ مشرق وسطیٰ کی جنگ 1967ء میں جو اسرائیل نے اپنے عرب ہمسایوں پر فوجی فتوحات حاصل کر لی تھیں، اس کا امریکا کی اندرون ملک سیاست سے کوئی

تعلق نہیں ہوگا۔

لیکن یہی وہ جنگ تھی جس کی بنا پر اسرائیل کو اور بہت سے امریکی یہودیوں کو اس قابل کیا کہ وہ امریکی بنیاد پرستوں، مثلاً جیری فال ویل کے یقینی تعاون کا پختہ عہد حاصل کریں (اور ان عناصر کا تعاون بھی جو بالآخر سدرن بیپٹسٹ کونشن کا جو سب سے بڑا امریکی پروٹسٹنٹ گروپ ہے)۔

اسرائیل جب آزاد خیال امریکی یہودیوں کی حمایت سے محروم ہونے لگا تو فوراً بنیاد پرستوں کے ساتھ گٹھ جوڑ پر آمادہ ہو گیا۔ آزاد خیال امریکی یہودی اس وقت دباؤ ڈال رہے تھے کہ یہودی ریاست اپنے ہمسایوں بالخصوص فلسطین کے ساتھ امن معاہدے کرے اور اس کے عوض عرب علاقے جس پر اس نے فوجی قبضہ کر لیا ہے، خالی کر دے۔ اسرائیل وہ علاقے خالی کرنا نہیں چاہتا۔ اس نے امریکا کے ایوان اقتدار میں براجمان مذہبی سیاستدانوں مثلاً جیری فال ویل اور دوسرے بنیاد پرستوں کی حمایت طلب کی۔

ایلن سی براؤن فیلڈ جن کا تعلق امریکن کونسل برائے یہودیت سے ہے نے لکھا ہے کہ "اس وقت اسرائیل کے لیے امریکا کی حمایت میں تبدیلی آئی جب عیسائی بنیاد پرستوں نے امریکی یہودی برادری میں تفرقے اور بے یقینی کے آثار دیکھے، فال ویل نے 1967ء تک اپنے خطبوں میں اسرائیل کا نام بھی نہیں لیا تھا۔" یہ بیان لائسبرگ کے ڈاکٹر جیمس پرائس کا ہے، جنہوں نے ولیم گوڈون کی شراکت کے ساتھ اپنی کتاب جیری فال ویل (Jerry Falwell: An Unauthoriesd Profile) لکھی۔

1967ء کے بعد سے فال ویل نے اسرائیل کو اپنا خاص موضوع بنا لیا۔ ایک انٹرویو میں ڈاکٹر پرائس نے کہا کہ "اسرائیلیوں نے فال ویل کو اپنے یہاں مدعو کیا، تمام مصارف خود برداشت کیے اور ان کی تواضع کی۔" یہ انٹرویو ڈاکٹر پرائس اور گوڈون دونوں کے ساتھ تھا۔

"اسرائیل جنرل فال ویل کو ہیلی کوپٹر میں بٹھا کر گولان کی پہاڑیوں پر لے گئے۔ وہاں فال ویل نے کچھ پودے لگائے جو بعد میں فال ویل جنگل بن گیا اور وہاں اس موقع کی تصویریں لی گئیں، جس میں وہ گھٹنے کے بل بیٹھا ہوا دکھایا گیا۔"

"اسرائیل کے وزیراعظم بیگن نے فال ویل سے کہا کہ آپ فلسطین کی سرزمین پر جائیں اور یہ اعلان کریں کہ خدا نے ویسٹ بینک یہودیوں کو دے دیا ہے۔" ڈاکٹر پرائس نے بات چیت جاری رکھتے ہوئے کہا "چنانچہ فال ویل اپنے محافظوں اور اخباری رپورٹروں کے ساتھ وہاں گئے اور یہودی آبادکاروں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ خدا امریکا پر مہربان ہے، محض اس لیے کہ امریکا یہودیوں پر مہربانی کرتا رہا ہے۔"

اس کے بعد 1980ء میں نیویارک میں ایک پرشکوہ ڈنر کا اہتمام کیا گیا جس میں بیگن نے اسرائیل کا اعلیٰ ترین ایوارڈ فال ویل کی خدمت میں پیش کیا۔ اس سے پہلے کسی شخصیت کو اس طرح کا اعزاز نہیں دیا گیا تھا، یہ ایوارڈ دائیں بازو کے ایک یہودی دانش ور لڈ میر زیو جیوٹنکی کے نام سے منسوب ہے۔ 1933ء میں اس نے بیتار (Betar) نامی تنظیم کی بنیاد رکھی تھی، جو پرجوش نوجوانوں کی تنظیم تھی، جس میں یہودیوں پر زور دیا جاتا تھا کہ فلسطین پہنچ کر آباد ہوں اور اس نے حقیقتاً جیوش ہیگانہ ملیشیا (Jewish Hagana Militia) بنانی شروع کی۔ آگے چل کر یہی اسرائیلی فوج بنی۔"

"بیشتر امریکیوں نے جیوٹنکی کا نام بھی نہیں سنا ہوگا" یہاں سے گفتگو کا سلسلہ ڈاکٹر گوڈون نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے کہا "مگر یہ عقدہ اس کو دیکھ کر کھلتا ہے کہ دائیں بازو کے انتہا پسند یہودی لیڈر فال ویل جیسے بنیاد پرست عیسائیوں کو کیوں پسند کرتے ہیں" آخر میں انہوں نے کہا:

"جیوٹنکی نے کہا تھا کہ تمہارا منتہائے مقصد طاقت ہونا چاہیے اور یہ بات اسرائیل نے اپنے پلے باندھ لی۔"

پروفیسر پرائس اور پروفیسر گوڈون سے ان ملاقاتوں کے لیے میں واشنگٹن ڈی سی سے پرواز کی اور فال ویل کے مستقر لنچ برگ پہنچی۔ ڈاکٹر پرائس نے مجھ سے کہا "جیر فال ویل اور دائیں بازو کے عیسائیوں کا اسرائیل سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں۔ جب ہوائی اڈے پر آپ کا طیارہ اتر رہا تھا تو کیا آپ نے فال ویل کا وہ طیارہ دیکھا جو اسرائیلیوں نے انہیں دیا ہے؟"

حالانکہ میں نے وہ جہاز نہیں دیکھا لیکن یروشلم کے قیام کے دوران میں نے اس وقت کے

وزیر دفاع موشے ارینز کو کہتے سنا کہ "آپ نے مجھے جو جیٹ طیارہ دیا ہے، میں ان کے لیے آپ کا شکرگزار ہوں۔"

"وہ رہا جہاز" ڈاکٹر پرائس نے ایک قریبی ہینگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کے آگے جیٹ طیارہ کھڑا تھا۔ "اس کا نام زیڈ اسٹریم ہے۔ اس کی قیمت 25 سے 35 لاکھ ڈالر کے درمیان ہوگی۔ فالتو پرزوں کی لاگت ہی پانچ لاکھ کے برابر ہے۔ مجھے اس کا پتہ ایک پائلٹ کے ذریعے سے ہوا جو فال ویل کے پائلٹ کو جانتا ہے۔ فال ویل بڑے فخر سے کہتا ہے کہ میں ہر ہفتے اس جیٹ میں دس ہزار میل کا سفر کرتا ہوں۔ اور اپنے پسندیدہ سیاسی امیدواروں کی حمایت میں ووٹر بھرتی کرتا ہوں" 1967ء ہی کے زمانے میں فال ویل نے جن کو آپ اپنے بہترین دوستوں، دائیں بازو کے اسرائیلی لیڈروں سے حوصلہ ملا تھا امریکا کی سب سے پروٹسٹنٹ تنظیم بیپٹسٹ کنونشن (SBC) کی سربراہی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا۔

اس سال کے ایک اور بنیاد پرست پادری ڈلاس کے پیگی پیٹرسن نے پال پریسلر سے ملاقات کی۔ یہ صاحب ٹکساس کی ساحلی عدالت کے جج ہیں اور ایک دانشور نظریہ ساز ہیں اور بڑے سیاسی عزائم رکھتے ہیں۔

ولیم اسٹیفنس نے لکھا ہے کہ SBC پر قبضہ کرتے وقت پیٹرسن اور پریسلر یقیناً یہ جانتے تھے کہ انہیں امریکی اور یہودیوں، اسرائیلی یہودیوں اور اسرائیلی لیڈروں کی حمایت حاصل ہوگی۔ ولیم اسٹیفنس بیپٹسٹ سنڈے اسکول بورڈ کے ایک سابق رکن تھے اور اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ لہٰذا SBC پر قبضے کا ایک محرک جذبہ یہ بھی تھا کہ کنونشن کو طاقت کا مرکز بنایا جائے اور اس طرح اسرائیل کی جانب امریکا کی پالیسی پر اثر انداز ہوں۔ اسٹیفنس نے آخر میں کہا۔

دینیات کی تجارت

اونجلی چرچ کے نیو رائٹ (New Right) نے رفتہ رفتہ سدرن بیپٹسٹ کنونشن کو جو پروٹسٹنٹ عقیدے والوں کا سب سے بڑا ادارہ ہے، اپنے قبضے میں لے لیا اور سیاسی مفادات کے لیے وہ دینی موقف جنہیں مدتوں تسلیم کیا جاتا رہا، بدلتا رہا۔

سڈنی بلیو منتقل 22 اکتوبر 1984ء کوسوی نیوری پبلک ری ملک کی داخلی سیاست پر ریلیجن رائٹ (Religion Right) کا اثر کس حد تک بڑھتا جا رہا ہے، اس کا اندازہ ذیل کی تبدیلیوں سے ہوگا۔

1970ء کا آخری زمانہ۔ جیری فال ویل نے مارل میجارٹی (Moral Majority) کی تشکیل کی، جس کے ارکان پر واجب تھا کہ ملک کے داخلی معاملات پر ہدایت کے مطابق اپنا ووٹ استعمال کریں۔ اس طرح اور بھی گروپ نکل آئے، مثلاً ای ای میکٹر کا ریلیجیس راؤنڈ ٹیبل (Religious Round Table)

رونالڈ ریگن اور جارج بش دونوں اپنی اپنی کامیابیوں کے لیے نیو کرسچن رائٹ کے مرہون احسان تھے، چنانچہ مذکورہ اداروں کو اور بھی ہمواری میسر آ گئی۔

کرسچن رائٹ کی طاقت ریگن انتظامیہ کے زمانے میں اور بھی واضح ہوگئی۔ ورجینیا یونیورسٹی کے پروفیسر جیفر ہیڈن نے یہ بیان کرتے ہوئے کہا ''کرسچن کولیشن کی تعمیر بنیاد پرست ریڈیو، ٹی وی کے مبلغین اور ان کے لاکھوں معتقدین کی بدولت شروع ہوئی اور یہی عناصر ان کو پال رہے ہیں۔''

صدر ریگن نے جب کہا کہ ''عیسیٰ دروازے پر کھڑے ہیں'' مطلب یہ کہ ملک کے داخلی مسائل پر اخراجات کو بہت زیادہ سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے۔ تو وہ دراصل ایک بنیاد پرست نظریے کی تائید کر رہے تھے۔

جیمز ملر ریاست کیلی فورنیا کے ایک سابق عہدیدار ہیں انہوں نے کہا کہ ریگن کی بیشتر پالسیوں کا انحصار ان کی جانب سے بائبل کی پیش گوئیوں کے لغوی ترجمے پر ہے۔ اس بنا پر ریگن کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قومی قرضے کے سلسلے میں ہمیں بہت زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ خدا عنقریب پوری دنیا کا حساب کتاب لپیٹنے والا ہے۔

ریگن کے حمایتی شور شرابہ کرنے والے نئے قدامت پرست ہیں ان کو سمجھایا جا سکتا ہے۔ لیکن ملر کے بقول صرف صدر کی بنیاد پرستی کے حوالے سے یہ ممکن ہے۔ ماحولیات کے لیے اتنی

تشویش کیوں؟ آئندہ نسلوں کے لیے چیزوں کو محفوظ کرنے میں وقت اور سرمایہ برباد کرنے کا کیا فائدہ؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بہت سارے داخلی پروگرام خاص طور پر ایسے پروگرام جس میں دولت خرچ ہوتی ہو، ان میں تخفیف کر کے سرمائے کو آزاد کر دینا چاہیے تاکہ آرماگیڈن کی جنگ لڑنے میں کام آئے۔

1980ء کی دہائی میں اس پورے عشرے میں بہت سے ریلیجیس رائٹ کے لیڈروں نے مختلف مسائل پر مثلاً اسکول میں دعا کے مسئلہ پر، استقاط حمل کے خلاف، خود اختیار موت کے خلاف اور ملک کو جمہوریت سے نکال کر مذہبی حکومت پر لے جانے کے سلسلے میں سیاسی ایجنڈے تیار کر رکھے ہیں۔

1996ء اٹلانٹک کمیٹی کے ایک قلم کار کرسٹوفر کاڈول نے ری پبلک کنونشن میں کہا کہ مسیحی بنیاد پرست اپنے اس کھیل کو ہمیشہ کے لیے فائدہ مند بنانے اور اسے ایک ادارے کی شکل دینے پر آمادہ ہیں۔ کرسچن قدامت پرست رالف ریڈ نے کہا ''پالیسی پر بحث اور سیاسی انتخابات میں لوگوں کے عقائد اب بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔''

1998ء ریلیجیس رائٹ نے آئین میں مذہبی آزادی کی ترمیم کے حق میں اکثریت کا ووٹ حاصل کر لیا ہے (یہ کافی نہیں کیوں کہ آئین کی رو سے ہر ایوان میں دو تہائی اکثریت اور صوبوں کی تین چوتھائی تعداد کی رضامندی ضروری ہے۔ انٹر فیتھ الائنس کے ویسٹن گیڈی کہتے ہیں کہ ''یہ نام نہاد آزادی کی ترمیم صریحاً اس لیے تیار کی گئی ہے کہ کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کو ختم کر دیا جائے۔''

1998ء ریلیجیس رائٹ تنظیم نے جن امیدواروں کی تائید کی تھی، انہوں نے الینس اور کنٹکی میں سینٹ کی نشستیں جیت لیں، حالانکہ اوپر اواشنگٹن میں مقابلہ بہت سخت رہا۔ تاہم الباما، جورجیا، نیو ہمپشائر میں گورنری کے لیے ان کے نامزد امیدوار ہار گئے۔ اسی طرح نیو کیرولینا، واشنگٹن اور وسکونسن ان کے سینٹ کے امیدوار بھی ہار گئے، ان شکستوں کی بنا پر مذہبی براڈ کاسٹر ایڈورڈ ولسن نے جو بڑے بااثر ہیں ''دی کوچ'' کے استعفے کا مطالبہ کیا ہے اور اس سیل (Cell) کی تیز رفتار خبر رسانی کے مطابق ''اسپیکر نیٹ گنگرک تو رخصت ہو چکے ہیں۔''

ریلیجس رائٹ کے پاس تمام لوگوں کے عقائد کو پرکھنے کی اب ایک ہی کسوٹی ہے۔ البرٹ آرنٹ نے 1998ء وال اسٹریٹ جرنل میں ایک مقالے میں لکھا، وہی امیدوار ''صاحب ایمان'' تسلیم کیے جائیں گے جو کانگریس کی متعینہ مدت کے اندر ایک آئینی ترمیم کے حق میں ووٹ دیں گے جس کے تحت ٹیکس بڑھانا اور میڈیکل سیونگس اکاؤنٹس رکھنا بہت مشکل ہو جائے اور یہ کہ اگر وہ خفیہ ہتھیار لے کر چلنے پر عائد پابندیوں کے خلاف، لیگل سروسز کارپوریشن کے خلاف اور طلبہ کے قرض کے لیے مزید رقم کے خلاف ووٹ دیں۔

ہنٹ نے لکھا کہ ٹیکساس ریلیجس رائٹ کسی سیاسی عہدے کے لیے امیدواروں کا امتحان اس طرح کے ''مسیحی'' مسائل مثلاً موٹر گاڑیوں پر سرکاری سیلز ٹیکس کے حوالے سے کرتی ہے۔ کیلی فورنیا میں کرسچن کولیشن کے ووٹ کے بارے میں رہنما اصول اور بھی نمایاں ہیں۔ مثال کے طور پر کیلی فورنیا کے گزشتہ انتخابات میں اگر امیدواروں نے متعینہ میعاد کے اور ایسی آئینی ترمیم کے خلاف ووٹ دیا جس سے ٹیکس بڑھانا یا میڈیکل سیونگس اکاؤنٹس رکھنا مشکل ہو جائے تو اسے ان کی ایمان کی کمزوری سمجھا گیا۔

1999ء میں قدامت پسند کرسچن نے صدر کلنٹن کے خلاف قانونی چارہ جوئی میں الزامات کی ابتدا اور اس کی قیادت کی ایوان میں جواب طلبی کے ووٹ سے تین ماہ پہلے تجزیہ نگار الزبتھ ڈریو نے لکھا ''دی کرسچن رائٹ جوری پبلکن کا ہمیشہ مضبوط مرکز چلا آ رہا ہے مطالبہ کرتا ہے کہ اب یہ ہو ہی جائے تو اچھا ہے اور کوئی ری پبلکن ان سے اختلاف کا خطرہ مول نہیں لے گا۔'' خاتون نے لکھا، کرسچن رائٹ کی حمایت بیشتر ری پبلکن ارکان کے نزدیک صدر کے عہدے ریگن کی تائید سے کہیں زیادہ اہم ہے۔''

کینتھ اسٹار کا تعلق ٹیکساس سے ہے۔ وہ ایک پیدائش نو (Born Again) بنیاد پرست ہے۔ انہوں نے 5 کروڑ ڈالر کے صرفے سے چار سال تحقیق کی۔ اسٹار ریکلین ورجینیا کے بنیاد پرست چرچ سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے ''سچ'' کا مطالبہ کیا اور آئین کی بالادستی کی بات کی۔

فلپ سٹیونز نے فنانشل ٹائمز میں لکھا کہ ''ان کا مطالبہ امریکا کے آئین کے تقدس کے متعلق

نہں تھا۔ وہ تو ایمانداری کی سیاست بھی نہیں تھی۔ بل کلنٹن کے خلاف مقدمہ ان کا بالکل ذاتی معاملہ تھا۔ یہ ایک انتقامی کارروائی تھی۔''

اسٹار نے ایک موقع پر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ایوان اکثریتی لیڈر (ٹوم ڈیلے) ہوسٹن کے قریب کا ایک (Born again) کرسچن تھا۔ صدر کے خلاف مقدمہ چلائے جانے کی مہم کے پیچھے اصل منصوبہ ساز اور حکمت عملی بنانے والا وہی تھا۔

نیویارک ٹائمز کے ایک رپورٹر سے اس نے کہا جو کچھ ہو رہا تھا، اس سے اس عقیدے کو تقویت مل رہی تھی۔ اس نے اس تختی کی طرف اشارہ کیا جو ان کے دفتر کی بیرونی دیوار پر لگی ہے اور جس میں دنیا کے خاتمے کا حوالہ ہے، یہی وہ دن ہوگا۔

1999ء سابق نائب صدر ڈینیل کوئل نے یہ اعلان کیا کہ وہ امریکی صدارت کے لیے ری پبلکن پارٹی کا امیدوار بننا پسند کریں گے۔ اگر وہ کبھی اس منصب پر فائز ہو گئے تو ان کا ایک ہاتھ ''بٹن'' (ایٹم بم کے بٹن) کے قریب ہوگا اور ان کا عقیدہ آرمیگڈن (عظیم آخری جنگ) کے حوالے سے ہم سب کی زندگی میں شامل ہو جائے گا۔

اخبار کوریئر جرنل (25 ستمبر 1988ء) جو لوز ویل کنٹکی (Kentucky) سے شائع ہوتا ہے، اس کے رپورٹر ایلینو ربر پچر اور نیویارک کے ڈیلی نیوز (13 اکتوبر 1988ء) کے رپورٹر ٹر اسمتھ نے ڈان اور مارلن کوئل دونوں کے مذہبی عقائد کے بارے میں سوالات اٹھائے ہیں، رپورٹروں نے بتایا کہ ان دونوں کے والدین ہوسٹن میں براچہ چرچ کے پادری کرنل رابرٹ بی تھیم کے گہرے عقیدت مند اور مقلد ہیں نہ وہ بنیاد پرست اور جبری نال ویل کے انتہائی دائیں جانب کھڑے ہیں۔

مجلہ فریڈم رائٹر کے شمارہ ستمبر/اکتوبر 1990ء میں اس کے رپورٹر سوزین نکول کا بیان ہے کہ مارلن اور ڈان دونوں تھیم کے ''زبردست مقلد ہیں، جو ساری دنیا کو یہ سبق سکھاتے ہیں کہ امن کے قیام کی کوششوں کو یقینی طور پر ناکام ہونا چاہیے کیونکہ خدا کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی آگ لگنی چاہیے کہ دنیا اس میں جل کر بھسم ہو جائے۔ نکول نے بتایا کہ تھیم بعض مواقع پر آرمی ایئر

کور (جنگی فضائیہ) کی وردی میں اس طرح کی تبلیغ کرتا ہے کہ ہیلمٹ کو اوندھا کر کے وہ اس میں چندہ اکٹھا کرتا ہے۔ چرچ میں اپنی آمد کے لیے وہ بحری فوج، آرمی، فضائیہ اور بحریہ کے جوانوں کی یونیفارم استعمال کرتا ہے۔

تھیم یہ درس دیتا ہے کہ شدید عذاب (Tribulation) کا خوفناک زمانہ ''شیطان کی سراسیمگی'' کا زمانہ ہوگا۔ یہ زمانہ وقت کے خاتمے (End of Days) پر آئے گا۔ اس وقت آخری جنگ کے نتیجے میں دنیا تباہ ہو جائے گی۔ تاہم ایک بنیاد پرست کی حیثیت سے تھیم اپنے عقیدت مندوں کو اطمینان دلاتا رہتا ہے کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ان کو نجات دلائی جاسکتی ہے (Reputred) اور وہ تباہی سے محفوظ رہ سکیں گے۔

ہوسٹن کے جان ایف باؤ (Jhon F. Baugh) ایک بپٹسٹ لیڈر اور ٹیکساس کے سب سے زیادہ کامیاب تاجر ہیں، انہوں نے زبانی گفتگو کے علاوہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ کس طرح دو افراد نے قوم کی سب سے بڑی تنظیم کو ایک سیاسی مرکز بنا دیا تاکہ اپنی پسند کے امیدواروں کو منتخب کر سکیں۔ اس طرح انہوں نے ذاتی طور پر اقتدار حاصل کر لیا۔ باؤ اب اسی سال کے پیٹے میں ہیں وہ ایک ممتاز تجارت پیشہ لیڈر ہیں جنہوں نے صرف اپنی بیوی یولا مائے (Eula Mae) کی مدد سے آغاز کیا اور ایک کامیاب کاروبار کھڑا کر دیا جو ملک میں خوراک کے تھوک کے کاروبار اور تقسیم کار کا ایک سرکردہ ادارہ بن گیا۔ میں ان سے دو سال تک خط و کتابت کرتی رہی پھر ان کی ایک نہایت مستند کتاب (The Battle of Baptist Integrity) پڑھنے کے بعد میں 1999ء میں ہوائی جہاز سے ہوسٹن پہنچی تاکہ ذاتی طور پر ان سے ملاقات میں معلوم کروں کہ سیاسی فکر رکھنے والے مذہبی دیوانوں نے پروٹسٹنٹ تنظیموں میں سب سے بڑی تنظیم بپٹسٹ کونشن پر کس طرح قبضہ کر لیا۔

''جارحانہ قبضہ صحیفے (انجیل) سے متعلق نہیں تھا بلکہ یہ تو طاقت کی اور سیاست کی بات تھی۔'' باؤ نے کہا۔

سدرن بپٹسٹ کونشن یکساں عقیدے کے لوگوں کی تنظیم کے طور پر 150 سال سے موجود

تھی۔ اس طویل عرصے میں سدرن بپٹسٹ اپنے مضبوط دینی ستون سے وابستہ رہے۔ جس میں تمام عقیدت مندوں کا آپس میں بھائی چارہ شامل تھا، یعنی عقیدے کی آزادی، مقامی چرچ کی خودمختاری اور کلیسا کی ریاست سے علیحدگی، باؤ نے کہا۔

آگسٹا (جارجیا) میں اپنے قیام 1845ء کے بعد سے سدرن بپٹسٹ کونشن نے ہمیشہ ایک مشترکہ مذہبی روایت کا احترام برقرار رکھا اور صحیفے (انجیل) پر بہت سے مباحث ہوئے، جن کو اس نے سہار لیا۔ گفتگو جاری رکھتے ہوئے باؤ نے کہا: ستمبر 1967ء میں دو افراد پال پریسلر اور پیگی پیٹرسن نے پہلی بار ایک ملاقات کی اور ایس بی سی (سدرن بپٹسٹ کونشن) پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ 1978ء میں انہوں نے دوسرے بنیاد پرستوں کو ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ دوسرے سال ہوسٹن میں ایس بی سی کا قومی اجلاس ہوا۔ اس وقت پیٹرسن ڈلاس کے کرس ولی کالج کا صدر تھا، جو انتہا پسند دائیں بازو کا ادارہ تھا اور پریسلر ایک نظریہ ساز مبلغ طاقت حاصل کرنے کا دیوانہ۔ اس نے ٹیکساس کے جج کی اپیل کو بھی نظر انداز کر دیا اور دونوں نے مل کر ایس بی سی پر قبضہ کر لیا۔

انہوں نے میمفس کے ایڈریان روجر کو جو ایک بنیاد پرست تھا صدر بنا کر بٹھا دیا۔

میں نے پوچھا ''اور رائے شماری کس طرح ہوئی تھی؟''

رائے شماری میں مندوب حصہ لیتے ہیں جنہیں میسنجر کہا جاتا ہے۔ 1979ء تک مندوبین اکثریت کی رائے کی عکاسی کرتے تھے۔ جو نوے فیصد خالص بپٹسٹ ہوتے تھے۔ مندوبین نے رائے شماری میں بنیاد پرستوں کو جو باقی دس فیصد کی نمائندگی کرتے تھے، کبھی ووٹ نہیں دیا۔

اس کے باوجود روجرز کے الیکشن میں معاملہ بالکل الٹ گیا۔ ایس بی سی کی مجلس انتظامیہ نے فوراً اطلاع دی کہ رائے شماری میں بدعنوانیاں ہوئی ہیں۔ ایک مثال پریسلر کی تھی، جسے اس کے اپنے چرچ ہوسٹن بپٹسٹ نے مسنجر منتخب کیا تھا اس کے باوجود اسے ووٹ ڈالتے ہوئے دیکھا گیا جب اسے یہ غلطی بتائی گئی تو اس نے کہا کہ میں ایک اور چرچ کا اعزازی ممبر ہوں، جس نے اسے ایس بی سی کے آئین سے انحراف کرتے ہوئے منتخب کیا تھا۔

باؤنے بتایا کہ ڈاکٹر گیرڈی کوتھن نے اپنی کتاب ایس بی سی (Waht Happend to the Southern Baptist Convention) میں ساری بات تفصیل سے لکھ دی ہے، جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ بعض چرچوں نے دس میسنجروں کی آخری مقررہ حد سے کہیں زیادہ میسنجر بھیج دیئے تھے اور بعضوں نے تو اپنا نام دوبارہ درج کرایا تھا۔

ایک پادری نے اپنا، اپنی بیوی کا اور چار بچوں کا نام رجسٹر کرایا تھا۔ جب پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے بتایا کہ اس کے بچے کونشن میں موجود نہیں تھے۔ ایک اور پادری نے بتایا کہ اس نے ایک شخص کو صدارتی الیکشن میں گیارہ بیلٹ پیپر پر نشان لگاتے اور انہیں ڈبے میں ڈالتے ہوئے دیکھا۔ اس طرح کی چالوں سے ان نظریہ سازوں نے ایک ایسے ادارے پر قبضہ کرلیا جس کی انہوں نے مالی معاونت نہیں کی، نہ اس کی حمایت کی تھی اور نہ اسے بنایا تھا۔ باؤ نے یہ بتاتے ہوئے کہا کہ ان کی فتوحات میں درج ذیل شامل ہیں:

☆ ایس بی سی کے مالی وسائل مین دس بلین ڈالر سے زیادہ کی رقم ہے۔ اب وہ کونشن کے نیشنل ہیڈ کوارٹر پر قابض ہیں۔ اس کے پیدا ہونے والے منافع اور اصل رقم کے سود پر ان کا قبضہ ہے اور لاکھوں خالص بیپٹسٹ جو عطیات دیتے ہیں وہ الگ رہے۔

☆ انیس (19) کونشن ایجنسیاں اور ادارے جن میں فارن مشن بورڈ اور (Annuity Board) شامل ہے، جس کے تصرف میں 50 ہزار سے لے کر ایک لاکھ بیپٹسٹ پادریوں کی پنشن کی رقم اور سنڈے اسکول بورڈ اور نیشنل کے براڈ مین ہول میں پریس جو دینی کتب کی اشاعت کا دنیا میں سب سے بڑا ادارہ ہے (یہ سب اس کے قبضے میں ہیں)

☆ چھ سدرن بیپٹسٹ سیمناریز (Seminaries) جس میں طلبہ کی کل تعداد دس ہزار ہے۔ اس کی ابتدا سے آج تک صرف اعتدال پسند بیپٹسٹ نے اس کی مالی امداد اور حمایت کی ہے۔ بنیاد پرستوں نے جو اس پر قابض ہیں انہوں نے کبھی کوئی مدد نہیں کی۔

☆ 19 کونشن ایجنسیوں اور اداروں، ان کے علاوہ چھ سیمناریز، کئی بلین ڈالر کے اثاثے پر قبضہ کرنے کے بعد اب یہ بنیاد پرست مقامی، ریاستی اور قومی انتخابات میں پوری

طاقت سے حصہ لینے پر تیار ہو رہے ہیں۔ یہ اقدامات انہوں نے ایس بی سی کو اپنی طاقت کی بنیاد بنانے کے لیے استعمال کیے تھے۔

☆ ایس بی سی نے 1982ء میں ایک قرارداد منظور کی جس میں امریکی آئین میں ایک ترمیم کی سفارش کی گئی تھی۔ اس کے تحت ریاستی قانون ساز اداروں کو اور مقامی اسکول بورڈوں کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ پبلک اسکولوں کے لیے اپنی دعائیہ عبارت تحریر کریں اور پبلک اسکولوں میں انہیں دعا کے طور پر پڑھایا جائے گا۔

☆ پیٹرسن نے 1986ء میں یہ بات واضح کردی تھی کہ ایس بی سی کے ہر ملازم کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت صاف طور پر بتانا ہوگا کہ وہ اسقاط حمل اور شدید کرب کی حالت میں اپنی پسند کی موت کے خلاف اور اسکول میں دعا کے حق میں ہے۔ ایس بی سی نے 1992ء میں واشنگٹن ڈی سی کے بیپٹسٹ لابی انگ (لابنگ) گروپ یعنی بیپٹسٹ جوائنٹ کمیٹی برائے امور عامہ کو پوری طرح اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کی اور اس غرض سے گروپ کو ملنے والا سارا فنڈ روک دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایس بی سی نے اپنے کرسچن لائف کمیشن کو پہلے سے زیادہ سیاسی اختیارات دے دیئے۔ جس نے سدرن بیپٹسٹ کا سالہا سال پرانا موقف جس کی رُو سے کلیسا کو ریاست سے الگ کردیا گیا تھا، تبدیل کرکے پرانے اصول کی نفی کردی اس کی بجائے ایس بی سی نے اپنے کرسچن لائف کمیشن کے توسط سے بیپٹسٹ اداروں یہاں تک کہ چرچوں کے لیے بھی ٹیکس کی رقوم طلب کرنی شروع کردیں۔

☆ 90-1989ء میں پریسلر نے کونسل برائے قومی پالیسی کے صدر کا عہدہ سنبھال لیا، یہ ایک نہایت خفیہ حد درجہ حساس اور انتہائی قدامت پسندانہ سیاسی فکر کا ادارہ (Think Tank) ہے۔

☆ 1998ء میں ایس بی سی کے تمام اعلیٰ عہدیداروں نے بڑے شوق سے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو سے ملاقات کی خواہش کی ان کے سیاسی مقاصد کی مکمل حمایت کا عہد کیا اور جواب میں ان کی حمایت حاصل کی۔

پیٹرسن پریسلر ٹیم نے ایس بی سی کو اپنے سیاسی مقاصد کی بنیاد بناتے ہوئے ایس بی سی کے تمام ملازمین کے ذہنوں پر مکمل قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ باؤ نے بتایا کہ ہمارے پاس ایسی

سیکڑوں مثالیں ہیں کہ انہوں نے کس طرح عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے کرسچن ہونے کا امتحان پاس کریں۔ وہ کارکنوں کے ایمان سے مطمئن نہیں تھے، بلکہ ان کے ذہنوں پر اپنا مکمل کنٹرول چاہتے تھے، ان کی کامل وفاداری اور سیاسی ایجنڈے کے ساتھ پوری پوری وابستگی چاہتے تھے۔

مثال کے طور پر ولبرن ٹی ڈاسپنل، کنساس سٹی میں مڈ ویسٹرن تھیولوجیکل سیمیناری میں ایک مقبول پروفیسر ہیں اور بائبل پر ویسے ہی خیالات رکھتے تھے جو خیالات ان کی سیمیناری کے ٹرسٹیوں کے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے پروفیسر سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک دستاویز پر دستخط کریں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ وہ یکسر معصوم ہیں۔ انہوں نے دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ بیپٹسٹ کنونشن کی روایت جو روحانی آزادی پر مبنی ہے۔ پروفیسر نے اسے سربلند رکھا اور ملازمت سے برطرف کردیے گئے۔

باؤنے کہا کہ رسل ایچ ڈیلڈے کو 1978ء میں فورٹ ورتھ کی ساؤتھ ویسٹرن سیمیناری کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہ دنیا کی سب سے بڑی مذہبی تنظیم ہے۔ ڈلڈے اپنے ذہانت اور اثر انگیزی کی بنا پر دور دور تک مشہور تھا۔ چنانچہ اس نے نہایت بے خوفی کا مطالبہ کیا کہ تمام بپٹسٹ اپنے مقاصد میں سیاست کو نہیں بلکہ عیسیٰ کو سرفہرست رکھیں۔ 8 مارچ 1994ء کو بنیاد پرستوں نے پالڈے کو برطرف کردیا۔

باؤنے کہا کہ ان خودساختہ نظریہ سازوں نے ذہنوں پر مکمل قبضہ حاصل کرنے کی کوشش میں "عورتوں سے پوری اطاعت" کا مطالبہ کیا ہے۔ 1998ء میں انہوں نے ایک نئی ترمیم منظور کی جو اب بنیاد پرستی کا جز ہے جس میں لکھا ہے کہ بیوی کو بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ اپنے آقا شوہر کی خدمت کرنی چاہیے۔ مرد اور عورت تمام ملازموں سے جو اپنی ملازمت میں رہنا چاہتے ہوں، امید کی جاتی ہے کہ اس نئے ترمیمی اعتراف نامے کی توثیق کریں گے اور اس کا تحریری اقرار کریں گے۔

جیمز واٹ

"مجھے نہیں معلوم کہ حضرت عیسیٰ کی آمد سے پہلے ہمیں آئندہ کتنی نسلوں کا شمار کرنا پڑے گا۔

امور داخلہ کے سیکرٹری جیمز واٹ 83-1982ء نے ایوان کی امور داخلہ کمیٹی کی تقریر کرتے ہوئے فطری وسائل کی نگہداشت کے حق میں بظاہر دلائل کی تردید کی۔"

یہودی سے فائدہ

ریلیجس رائٹ (Religious Right) کے رہنماؤں سے یہ بات چھپی نہ ہوگی کہ یہودیوں سے ایک مثبت تعلق سیاسی اور سماجی دونوں اعتبار سے مفید ہے۔

(اے جیمس کلے کی کتاب Piety and Politics میں)

اسلحہ کے حامیوں کی حمایت

لاکھوں بنیاد پرست عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا اور ابلیس کے درمیان آخری معرکہ ان کی زندگی ہی میں شروع ہوگا اور اگرچہ ان میں سے بیشتر کو امید ہے کہ انہیں جنگ کے آغاز سے پہلے ہی اٹھا کر بہشت میں پہنچا دیا جائے گا۔ پھر وہ بھی اس امکان سے خوش نہیں کہ عیسائی ہوتے ہوئے وہ ایک ایسی حکومت کے ہاتھوں غیر مسلح کر دیے جائیں گے جو دشمنوں کے ہاتھوں میں بھی کی جاسکتی ہے۔ اس انداز فکر سے ظاہر ہے کہ بنیاد پرست فوجی تیاریوں کی اتنی پرجوش حمایت کیوں کرتے ہیں۔ وہ اپنے نقطۂ نظر سے دو مقاصد پورے کرتے ہیں، ایک تو امریکیوں کو ان کی تاریخی بنیادوں کے ساتھ جوڑتے ہیں اور دوسرے ان کو اس جنگ کے لیے تیار کرتے ہیں جو آئندہ ہوگی اور جس کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ بائبل پر یقین رکھنے والے لاکھوں کرسچن اپنے آپ کو اتنی پختگی کے ساتھ ڈیوڈیئنز (Davidians) یعنی ٹیکساس کے قدیمی باشندوں کے ساتھ کیوں جوڑتے ہیں۔

(ڈیمس تھامسن کی تصنیف The End of Time: Faith Faith and Fear with Shadows of Millenium سے)

مستقبل

میں نہیں مانتا کہ بیپٹسٹ جو عیسیٰ کو اپنی زندگی میں ہر بات پر مقدم رکھتے ہیں، اس بنیاد پرستی میں شامل ہو جائیں گے، جہاں سیاست کو اولیت حاصل ہے۔ میں بیلر یونیورسٹی کے چانسلر ہربرٹ رینالڈرز کی اس وقت حمایت کرتا ہوں جب وہ بیپٹسٹ کے اصل دعویداروں (Mainstream) کو چیلنج کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ سدرن بیپٹسٹ کونشن کی گندی سیاست سے باہر نکل آئیں۔

ٹیکساس کے بیپٹسٹوں نے اپنی جماعت، توانائی اور اقتصادی طاقت کے ہوتے ہوئے 1999ء میں تقریباً دس کروڑ ڈالر کے عطیات دیے۔ ٹیکساس کے بیپٹسٹ جنرل کونشن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ متعدد چھوٹے چھوٹے گروپوں کو رسمی یا غیر رسمی طور پر ایک نئی بیپٹسٹ وحدت میں جوڑ سکتے ہیں۔ ہم ٹیکساس کے بیپٹسٹ جو امریکا کی نویں سب سے بڑے ادارے کی نمائندگی کرتے ہیں اور جس کی تعداد رکنیت تیس لاکھ کے قریب ہے اپنے لیے خود مواقع پیدا کر سکتے ہیں اور اپنے لیے خدمت کا الگ راستہ نکال سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنا عیسیٰ ہے، جو پیروی کیے جانے کے قابل ہے۔"

(ہوسٹن کے بیپٹسٹ لیڈر اور The Battle of Beptist Integrity کے مصنف کے قلم سے)

کرسچن رائٹ (Christian Right) کی طاقت

1999ء میں کرسچن کولیشن اپنا ایک کروڑ ستر لاکھ ڈالر کا بجٹ ایک لاکھ رضا کاروں کی بھرتی کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ یہ کولیشن رابطے کا کام کریں گے اور خاص خاص مذہبی اجتماعات میں یہ خدمت انجام دیں گے۔ ری پبلکن پارٹی کے اندر ریلیجس رائٹ کی زبردست تنظیمی طاقت ہے۔ حقیقی طور پر وہی امریکا کے آئندہ صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔
(The Interfaith Alliance, Washington DC) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ولٹن گیڈی کا بیان۔

دی ریلیجس رائٹ ری، پبلکن پارٹی کی تقریباً ایک تہائی تعداد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ تقریباً بیس ریاستوں کے اندر (GPO) تنظیموں کو کنٹرول کرتے ہیں اور دوسری درجن بھر ریاستوں میں بھی ایک بڑی طاقت رکھتے ہیں۔

(رائس یونیورسٹی میں سوشیالوجی کے پروفیسر ولیم مارٹن)

معیار کی حد، سب کے لیے

امریکا میں آٹھ سال تک ایک ایسا صدر بھی (ریگن) جسے یقین تھا کہ وہ وقت کے خاتمے پر (قرب قیامت کے دنوں میں) زندہ ہے بلکہ یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ یہ واقعہ اس کے انتظامی زمانے میں ہی پیش آئے گا۔

(فرینک کرموڈ Apocalyse Theory and the Eand of the world)

حاصل کلام

Dispensationalism (یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ ظہور کریں گے) ایک نسبتاً نیا عقیدہ ہے۔ اس کی عمر دو سو برسوں سے بھی کم ہے۔ لیکن حالیہ برسوں میں اس نے ایک زبردست مقبولیت حاصل کر لی ہے۔

اول یہ کہ جو لوگ آخری جنگ عظیم (Armageddon) کے دینی نظریے کی تبلیغ کرتے ہیں، وہ (Anti-Semitic) (یہودیوں کے مخالف) ہیں۔ جیری فال ویل اور دوسرے "خدا کی مرضی" والے عقیدے کے لوگ (Dispensationaists) اسرائیل سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ کوئی بھی فرد حتیٰ کہ اسرائیلی بھی یہودی ریاست کی حمایت اتنی بلند آہنگی سے اور مشروط طور پر نہیں کرتے، جتنا یہ لوگ کرتے ہیں۔ اسرائیل کے لیے ان کی حمایت کسی احساس جرم کے تحت نہیں ہے کہ ان پر ماضی میں ظلم ہوا اور نہ اس کے لیے یہودیوں نے زبردست تباہی (Holocaust) دیکھی۔ بلکہ ان کی حمایت کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اسرائیل "اسی جگہ" دیکھنا چاہتے ہیں جہاں حضرت عیسیٰ کا دوسری بار ظہور ہوگا۔ ادھر فال ویل اور دوسرے (Dispesationalists) یہودیوں سے متعلق ان کے یہودی ہونے کی بنا پر حقارت آمیز باتیں کرتے ہیں۔

دوم یہ کہ (Dispensationalists) خدا کے بارے میں اور اس زمین پر آباد چھ ارب انسانوں کے بارے میں ایک نہایت محدود تفکر رکھتے ہیں۔ وہ صرف ایک قبائلی خدا سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں جو صرف دو قوموں کو جانتا ہے، ایک یہودی اور دوسرے عیسائی۔ کرسچن ہونے کے حوالے سے وہ ایسی ساری باتیں کرتے ہیں جو ان کے لیے اہم ہیں اور ان کی گفتگو کا محور اسرائیل ہوتا ہے۔ وہ اس تصور کے قائل ہیں کہ خدا نے یہودیوں جن کی

تعداد اب ایک کروڑ چالیس لاکھ تک پہنچ گئی ہے، "زمینی" راستے پر چلا دیا ہے۔ اور ایک بلین عیسائیوں کو خدا نے "بہشتی" راستے پر چلا دیا ہے۔ باقی رہے دنیا کے پانچ بلین افراد ان کا خدا کے "ریڈار اسکرین" پر کوئی وجود نہیں، تا آنکہ وہ انہیں طلب کرے یعنی جب آرمیگڈن کا ہولناک مرحلہ سامنے ہو اور خدا انہیں ہلاک ہو جانے دے۔ خدا کو اور کائنات کو اس تنگ نظری سے دیکھنے کے باوجود اس کے باعث Dispensationalists ایک تیسری خصوصیت رکھتے ہیں جیسے کسی فلم کا منظر نامہ ہو جو تین ادوار میں کھلتا ہے اور پھر سب کچھ خوشی خوشی ختم ہو جاتا ہے آخر میں نجات کی ایک صورت فضائی نجات (Repture) سے نکلتی ہے۔ یہ نجات صرف انہی جیسے چند منتخب لوگوں کے لیے ہوگی۔ ہمفرے نامی ایک پرسبائٹیرین پادری (Presbyterian Minister) نے جو ریٹائر ہو چکے ہیں اس کی وضاحت اس طرح کی کہ "وہ انہی لوگوں سے اپیل کرتے ہیں جو یہ محسوس کرتے ہوں کہ وہ گروپ کے "اندر" ہیں، سارے رازوں سے واقف ہیں، بے پایاں علم رکھتے ہیں اور ان پر کشف ہوتا ہے۔"

جی اے ولز نے اپنی کتاب (Neo Fundamentalism) میں لکھا ہے کہ یقین کے حصول کی خواہش دراصل ان لاکھوں افراد کی خواہش کی عکاسی کرتی ہے کہ وہ انفرادی لیڈروں کی حاکمیت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ایک بنیاد پرست پادری کے اختیارات عام روایتی کلیساؤں کے پادریوں یا مسیحیت کے روایتی عالموں سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں انہیں جو کامیابی اپنے مقلد بنانے میں ہو رہی ہے اور کامیابی بھی نہایت بڑے پیمانے پر، اس سے فطری طور پر ان کے اعتماد میں اضافہ ہوا ہے اور کبھی کبھی تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ خود کو واقعی روحانیت سے لبریز پاتے ہیں۔

ان کے کردار کا چوتھا پہلو تقدیر پرستی (Fatalism) ہے۔ (Disensationalists) کہتے ہیں کہ دنیا بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ جاری رہنے والی صورتحال پر کڑی تنقید تو کرتے ہیں لیکن اسے بدلنے اور بہتری پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ان کے پادری (Pastors) اس خدا کے بارے میں تبلیغ کرتے ہیں جو غصے، انتقام اور جنگ کا خدا ہے۔

وہ یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ خدا نہیں چاہتا کہ ہم امن کے لیے کام کریں بلکہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم ایک ایٹمی جنگ چھیڑ دیں۔ جس سے یہ کرۂ ارض تباہ و برباد ہو جائے۔

برطانوی کلیسا کے ایک رکن رابرٹ جیوٹ کا کہنا ہے کہ یہ عقیدہ کہ خدا نے آرمیگیڈن آخری ہولناک جنگ کا ہونا مقدر کر دیا ہے اور پھر اس کی مسلسل تبلیغ کرتے رہنا۔ اس کا ایک خوفناک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ ”آئندہ کی صورتحال جو بیان کی جاتی ہے اسے پیدا کرنا بہت آسان ہو گیا ہے، چنانچہ اس کی تفسیر میں اس کی تکمیل کی صورت پوشیدہ ہے۔“

(Arguing The Apocalypse) کے مصنف اسٹیفن اولیری کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وقت کے خاتمے کے بارے میں پیش گوئی سے ہماری ساری امیدیں مشروط ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایٹمی جنگ شروع کرنے کی خواہش الوہی فیصلے کی ایک مذموم تکمیل ہو گی۔

جیری نال ویل کے جو خطبے میں نے سنے ہیں اور ٹم لے ہائی، جان ہیگی اور دوسرے (Dispensationalists) پادریوں کی جو تقریریں سنی ہیں ان میں، میں نے ایک لفظ بھی کائنات کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی محبت یا پھر پہاڑ کی بلندی پر خطبے کے حوالے سے نہیں سنا۔

میں نے جیری نال ویل کو تقریر کے دوران چیختے ہوئے سنا ”عیسیٰ محض نبی نہیں تھے۔“ وہ آرماگیڈن کے عقیدے کے ماننے والے پادری عیسیٰ کو پانچ ستاروں والا ایک جنرل بنا کر پیش کرتے ہیں جو ایک گھوڑے پر سوار ہے اور ساری دنیا کی فوج کی قیادت کر رہا ہے، وہ ایٹمی اسلحہ سے لیس ہے اور کروڑوں اربوں انسانوں کو جو غیر مسیحی ہیں ہلاک کرتا ہے۔

جان کراسپین نے اپنی تصنیف (The Birth of Christianity) میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات عدم جارحیت اور عدم تشدد پر مبنی تھیں۔ اس کے علاوہ جان کراسپین کا بیان ہے کہ عیسیٰ نے سماجی مساوات کی سچے عقیدے کا درس دیا۔ ”آپ خدا کا کردار“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ عیسیٰ ایسے ہر نظریے کو رد کر دیں گے جس کی رو سے خدا ”غیظ و غضب اور انتقام کا خدا“ قرار دیا جائے۔

کسی بھی عظیم اور سچے مذہب میں ہمیں یہ الفاظ ملیں گے کہ ”ایک نیا آسمان اور نئی زمین“

پیدا کر دے جس میں عیسائی امن اور عافیت کے ساتھ زندگی گزاریں۔ ایسا مذہب جو ہمیں حسن سلوک کی تعلیم دے اور سب سے وہی طریقہ برتے جس طریقے کی وہ دوسروں سے توقع رکھتا ہے یعنی عدل، انصاف، مفاہمت، رواداری اور رحم۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ اپنے خالق کے کردار کو جیسا چاہے بنا کر پیش کرے۔ وہ جنگ کا خدا بنائے یا وہ خدا، جو ساری انسانیت سے پیار کرتا ہے، امن کا خدا۔

اصطلاحات کی توضیح

Anti-Christ (دجال)۔ عیسائیوں کا مجسم مخالف چاہے وہ شیطان ہو یا انسانی شکل میں ہو۔ جو ان کی حکومت کو اپنے تصرف میں لے گا، پھر کچھ عرصے کے لیے حکومت کرے گا، بے روک ٹوک اور بے خوف و خطر اور یہی حکومت اس دنیا کے خاتمے کی علامت ہو گی۔

Apocalypse: یونانی زبان کا لفظ جس کے معنی ہیں ظاہر ہونا، اس چیز کا جو چھپی ہوئی ہے۔

Apocalyptic: حوالہ ہے، دنیا میں ہونے والی اس حتمی تباہی کا جو بدی کی طاقتوں کو ختم کر دے گی اور خدائی بادشاہی کا ظہور ہو گا۔

تحریروں کا مجموعہ جو آسمانی ہیں اور انسان کے وسیلے سے آتی ہیں۔ اس میں 39 کتابیں قدیم صحیفے (Old Tesament) کی ہیں۔ اس تعداد میں مختلف عقائد کے اندر معمولی اختلاف موجود ہے۔ بائبل کی تشکیل گیارہ سو سال کے اندر ہوئی (تقریباً 930 سال قبل مسیح سے ایک سو سن عیسوی تک) اگرچہ اس سے پہلے زبانی اور کچھ تحریری روایات موجود ہیں۔

Biblical Inerrancy: یہ عقیدہ کہ نئے اور پرانے صحیفوں میں جو کتابیں ملتی ہیں انہیں خدا نے لکھوایا اور انسانی ہاتھوں نے نہیں لکھا، جس میں کوئی غلطی نہیں اور ان کے آٹوگراف اصلی ہیں۔

Book of Revelation: (اس کا دوسرا نام Apocalypse ہے) یہ نئے صحیفے کی آخری کتاب ہے۔ یہ الوہی، علامتی اور انتہائی بلند خیالی پر مبنی ہے اور عیسیٰ کے بعد دیگر دنیا میں آخری وقت پر آنے کا واقعہ بیان کرتی ہے۔ یہی کتاب انتہائی روایتی عقیدے کا سرچشمہ ہے۔

Charismatic یہ Charisma (کشش) سے بنا ہے۔ روایتی طور پر اس کے معنی کسی روحانی عطیہ کے ہیں۔ مسیحیت کی کراماتی تحریک مسیحیوں کو یہ حوصلہ دلاتی ہے کہ اپنی جذباتی کیفیت کا اظہار کریں۔ اس کے راہبر نا قابل فہم لہجے میں گفتگو کی مشق کریں، جس سے ان کے کسی گہری مذہبی جذبے کا اظہار ہو۔ تیزی سے فروغ پاتا ہوا (Pentecostal Church) ان معنوں میں (Charismatic) ہے اور بیشتر (Charismatic) Dispensationalists ہیں۔ خود پیٹ رابرٹسن اس کی مثال ہے۔

Christianity: وہ مذہب ہے جس کی بنیاد حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی شخصیات پر رکھی گئی۔ کلیسا نے اور اس کے ماننے والوں نے تاریخ کے بیشتر زمانے میں یہ عقیدہ رکھا کہ عیسیٰ نے پرانی یہودی روایات کی جگہ نئی روایات قائم کیں۔ مسیحی چرچ لاکھوں سال پر محیط خدا کی سلطنت کی علامت ہے۔ مسیحی صہیونیت کے آنے سے پہلے یہی عقیدہ عام تھا۔

Christian Zionism یہ عقیدہ کہ یہودیوں کو ایک دوبارہ وجود میں آنے والے اسرائیل میں رہنا ہوگا اس کے بعد ہی عیسیٰ یروشلم میں ظہور کر سکیں گے۔ یہ عقیدہ اسرائیل کو مرکز و محور بنا کر پیش کرتا ہے اور ایک ایسا اسٹیج جہاں دنیا کے خاتمے کا واقعہ رونما ہوگا۔

Christan Identity Movement: انتہائی دائیں بازو کے مختلف عناصر کی تحریک۔ اس میں (Ku Klux Klan)، نیو نازی، اسکن ہیڈز اور آرین (Aryans) شامل تھا اور جن کا زور اس بات پر ہے کہ اسرائیل کے دس گم شدہ قبیلوں کی اولادیں یہی Aryans ہیں۔

Conversion: (پروٹسٹنٹ Protestant) عقیدے کے لوگوں کا یہ اعتقاد کہ کوئی شخص اگر نجاتی برکت چاہتا ہو تو اسے (Born Again) ہونا پڑے گا، یعنی وہ حضرت عیسیٰ کو اپنا ذاتی نجات دہندہ مانتا ہو۔

(Convert سے نکلا ہے یعنی تبدیل ہونا)

Dispensation: ایک دور، جس میں لوگوں کو خدا کے ساتھ ان کے ذاتی تعلق کی بنیاد پر پرکھا جائے گا۔

Dispensationalism: عقیدے کا ایک پورا نظام، جس میں موجودہ بگڑی باتوں سے عیسیٰ کی دوبارہ آمد کی نشانیوں کو صحیفے میں صراحت کے طور پر بیان کیا جا چکا ہے اور نشانیوں کو موجودہ بین الاقوامی حالات کے اندر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عقیدہ دو سو برسوں سے بھی کم مدت پرانا ہے جسے برطانیہ کے جان ڈاربی اور امریکا میں سائرس اسکوفیلڈ نے مقبول بنایا۔ اسکوفیلڈ ریفرنس بائبل میں یہ بات واضح طور پر بتائی گئی ہے کہ خدا کو صرف دو اقوام سے دلچسپی ہے۔ ایک تو یہودی جو "زمینی راستے" پر چل رہے ہیں اور دوسرے عیسائی جو بہشتی راستے پر ہیں۔

Dispensationaisit: جو شخص اس عقیدے پر کاربند ہو کہ سات زمانے ظہور میں آئیں گے اس کے بعد ہی حضرت عیسیٰ دوبارہ آئیں گے۔

Evengalist: یہ خطاب عام طور پر میتھیوز، مارک، لیوک اور حضرت عیسیٰ کے دوسرے شاگردوں کو دیا جاتا ہے۔ (Evengalical) یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "وہ شخص جو کسی خبر میں شریک ہو" یعنی حضرت عیسیٰ کے (Gospel) (ارشادات) میں شریک ہو۔ موجودہ زمانے کے (Evngalist) میں جان ویزلے، جارج وھٹ فیلڈ، جارج فاکس جو سوسائٹی آف فرینڈس کے بانی ہیں اور ڈوائٹ موڈی شامل ہیں، جن کا شمار انیسویں صدی کے انتہائی معروف (Evengalist) میں ہوتا ہے۔ الیکٹرانک کے اس دور میں جب کہ ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ آگئے ہیں جیری فال ویل اور پیٹ رابرٹسن جیسے (Evengalist) کو بہت سربلندی حاصل ہوئی ہے کہ ان ذرائع سے وہ لاکھوں سامعین تک پہنچتے ہیں۔

Fundamentalists: پروٹسٹنٹ جن کا سرا 1920ء۔ 1885ء کے زمانوں سے ملتا ہے۔ جبکہ ارتقاء، سائنس، تجزیے اور جدیدیت پر نظریاتی مباحث بہت شدت سے ہوتے تھے۔ (The Fundamentalists) (1910-1915ء) میں اس سلسلے کے بہت سے کتابچے شائع ہوئے۔ ولیم جیننگس بریان جیسے ترجمانی کرنے والوں نے عیسائیت کی "بنیادوں" کا دفاع کیا۔ 1895ء میں ایک نیاگرا بائبل کانفرنس ہوئی جس میں پانچ بنیادی عقائد پر اتفاق کیا گیا اور طے پایا کہ اس میں کوئی ردو بدل ممکن نہیں ہوگا۔ (1) اول بائبل غلطیوں سے پاک ہو۔

(2) کنواری ماں سے عیسیٰ کی ولادت۔ (3) عیسیٰ کی موت سے گناہگار انسانیت کا کفارہ ادا ہوگیا۔ (4) موت اور تدفین کے بعد عیسیٰ کا دوبارہ ظہور اور (5) خدا کا جسمانی ظہور۔ خدا انسانی قالب میں اس طرح زمین پر ظاہر ہوگا جس طرح حضرت عیسیٰ نمودار ہوں گے۔

Gog and Magog: اس کا حوالہ از حزقیل (Ezekeil) کی کتاب میں ملتا ہے، جو اسرائیل کے دشمن تھے۔ (Despensationalists) ان سے مراد روس اور چین لیتے ہیں۔

Millennium: ایک ہزار سال تک زمین پر خدا کی حکمرانی۔ (Evengelecals) کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خدائی حکمرانی کے وہ ایک ہزار سال عیسیٰ کی آمد سے پہلے ہوں گے یا اس کے بعد ہوں گے۔

Postmillenniolists: وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسانیت زمین پر حضرت عیسیٰ کی فاتحانہ حکمرانی سے پہلے ایک راست باز خدائی حکومت قائم کر سکتی ہے اور وہ ایسا کرے گی۔ 1730ء اور 1740ء کے عشروں میں جب تجدید (Revival) کا زمانہ آیا تو ایک احساس عام ہوگیا کہ خدا زمین پر اپنی بادشاہی قائم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس وقت ایک خود اعتمادی، خود اختیاری اور یک گونہ رجائیت کی لہر اٹھی کہ انسانیت اور انسانی معاشرہ مکمل ہے، چند استثنائی صورتوں سے قطع نظر جو اہم تھیں یہ احساس بالعموم امریکی (Evangelicals) میں پھیلا اور انیسویں صدی کے نصف آخر تک برقرار رہا۔

Premillennialists: وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ ملینیم کے آغاز سے پہلے ذاتی طور پر واپس آجائیں گے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کے بعد نیکی اور بدی کے درمیان آخری جنگ کے محرک وہی ہوں گے اور یوں اپنی ہزار سالہ بادشاہت قائم کریں گے۔ وہ بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ انسانی زندگی کی تاریخ یقیناً ایک مکمل تباہی پر جا کر ختم ہوگی۔ اس عقیدے کے ماننے والے دنیا کے بارے میں کوئی امید نہیں رکھتے۔ انہیں یقین ہے کہ ہمیں اس زمین کو اپنے ہی ہاتھوں سے تہس نہس کر دینا چاہیے۔

Pretrist: جو شخص یقین رکھتا ہو کہ (Apocalypse) کی پیش گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔

Repture: ایک عقیدہ کہ (Bron Again Christian) زمین سے اٹھا کر بہشت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ روایتی طور پر عیسائی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ (Pilgrim's Progress) (ایک داستان) کے ہیرو کی طرح انہیں مصائب اور سختیاں برداشت کرنی چاہئیں تاکہ وہ جنت کے طلائی دروازے تک پہنچ جائیں۔ تاہم (Dispansationalists) کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں ایک پل کو بھی تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ انہیں ایک فوری (Repture) کا تجربہ ہوگا، اس طرح وہ ان سب عذابوں اور اذیتوں سے بچ جائیں گے جو بعد میں زمین کی آخری تباہی پر ختم ہوں گے۔

Religious Right: (Evangelical) تحریک کے اندر تیزی سے بڑھتی اور پھیلتی ہوئی ایک شاخ یہ اصطلاح عام طور پر سیاسی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ مسیحی مبلغ "مذہبی" اپیلیں کرنے کے بعد عطیات کو کسی "سیاسی" وابستگی کے کام میں لاتے ہیں، مثلاً کرسچن کولیشن کے لیے تاکہ اس طرح انتہائی دائیں بازو کے شدید قدامت پرست امیدوار منتخب کیے جائیں۔

Tribulation: عام طور پر یہ سات سال کا عرصہ شمار ہوتا ہے، جو اتنے شدید اتھل پتھل کا ہوگا کہ دنیا نے اس کا تجربہ پہلے نہیں کیا تھا۔ (Dispensationalists) یہ اصرار کرتے ہیں خدا اس وقفے میں یہودیوں کو خاص طور پر سزا دے گا کیونکہ وہ عیسیٰ پر عقیدہ نہیں رکھتے۔

مدینہ منورہ پر یہودی حملے کی
ناپاک ترین تیاریاں

"ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصریٰ حتی تتبع ملتھم"

ترجمہ: اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ (سورۃ البقرۃ۔120)

یہودی/عیسائی صیہونیت کابی جے پی سے خطرناک ترین گھ جوڑ

"دہشت گردی کے خاتمے کی آڑ میں نہایت خوفناک ارادے و منصوبے"

سفید جھوٹ کہ 11ستمبر کو سانحہ ورلڈٹریڈ سینٹر (WTC) نیویارک سے مشتعل ہوکر امریکا نے افغانستان پر حملہ کا ارادہ کیا جبکہ کئی برسوں بالخصوص صدر بش کے انتخاب کے فوری بعد موجودہ جنگ کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

یہودی عیسائی صیہونیت Jewish Chirstian Zinism اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ جنگ عظیم سوم (Armaggaddon) ناگزیر ہوگئی ہے۔ 11 ستمبر 2001ء کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر (WTC) سانحہ کی آڑ میں (جو بلاشبہ یہودی خفیہ ایجنسی موساد کی سازش کا نتیجہ تھا) عالمگیر مہم بظاہر دہشت گردی کے خلاف لیکن اصل میں پس پردہ اہداف (Targets) کے حصول کے لیے زور و شور سے جاری ہے۔

برطانیہ اور امریکا کی افواج، پاکستان، بحر ہند اور وسطی ایشیا، زر کثیر خرچ کر کے صرف بن لادن اور افغانستان میں طالبان کے خاتمے کے لیے نہیں آئی ہیں۔ اس کے اور بھی خطرناک منصوبے ہیں۔

☆ پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور ایٹمی صلاحیت کا فوری دھوکے کے ذریعے خاتمہ۔ ☆ مسئلہ کشمیر کو امریکی/یہودی مفاد کے تحت مکمل آزاد کشمیر بنا کر یا بالآخر ہندوستان کو دے کر حل کر دینا۔

☆ عالم اسلام میں ابھرتی ہوئی جہادی/دینی تحریکوں کو مکمل طور پر کچلنا۔ ☆ وسطی ایشیا کی معدنی قوت سے مالا مال ریاستوں کو مکمل قابو میں کرلینا۔ ☆ پھر عظیم تر اسرائیل/عظیم تر بھارت کے خوفناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانا۔ ☆ جنگی اخراجات (امریکا و برطانیہ نے 500 بلین ڈالر خرچ کیے ہیں) کو ادا کرنے کے لیے براہ راست عرب کے تیل کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے جزیرۃ العرب اور مدینہ منورہ پر حملہ کر دینا اور بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ کو تباہ کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا ہے۔

وقت کم ہے ان کی سازشوں پر عمل افغانستان اور پاکستان کی تباہی کے لیے موجودہ جنگ سے شروع ہو چکا ہے۔ احادیث سے حسب ذیل حقائق بالکل واضح ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے: کتاب الفتن بخاری۔ الشراط الساعۃ مسلم۔ کتاب الملاحم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ الملحمۃ الکبریٰ۔ الملحمۃ العظمیٰ (عظیم جنگ)۔ احمد۔

☆ ہندوستان اور یہود پر حملہ ایک ہی زمانہ میں ہوگا، علماء پہلے سمجھتے تھے کہ محمود غزنوی وغیرہ کے ہندوستان پر حملے مراد ہو سکتے ہیں لیکن الفاظ میں مضمر ہے کہ یہ دونوں حملے ہندوستان پر او ریہود کے خلاف ایک ہی زمانے میں ہوں گے اور اب وہ منظر نامہ تیار ہے۔

☆ اہل الروم (عیسائی) ہم سے ھدنہ (صلح Truce) کے بعد غدر (دھوکہ Betrayal) کریں گے اور امریکا و برطانیہ اہل الروم پاکستان اور سعودی عرب کے ساتھ صلح کر کے اب دھوکہ دینے والے ہیں۔

☆ دجال کے شاگرد اب مصروف عمل ہیں۔ بالآخر وہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے گا۔ اب اسرائیل کی تیاری ہے اور وہ سعودی عرب پر حملے کرے گا اور اس راہ کی رکاوٹ پاکستان کو ہندوستان اور افغانستان کو امریکا سے پٹوانا اور مدینہ کی طرف پیش قدمی کرنا ہے۔

☆ جن میں ایمان ہوگا ان میں نفاق نہیں ہوگا اور جو مومن ہوں گے وہ نفاق سے پاک ہوں گے۔ اب امریکا کے صدر بش خود بھی کہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دو ورنہ تمہارا دشمنوں میں شمار ہوگا۔ یا ایمان یا نفاق۔

☆ دجال کی جنت اصل میں جہنم ہوگی اور اس کی دھمکیاں جہنم (بمباری) اصل میں جنت ہوگی۔ اس کی آگ (میزائل سے برسا رہا ہے) وہ پانی اور اس کا پانی (امداد) جہنم ہوگی۔

افغانستان جیسے ملک پر حملہ کے لیے عالمگیر اتحاد (Global Alliance) بنانے کی کیا ضرورت تھی؟؟ اصل تو پاکستان، ایران، افغانستان، سعودی عرب اور تمام عالم اسلام پر قبضہ کی مکمل تیاری ہے ورنہ بے چارے افغانستان کے لیے اتنی بڑی تیاری؟

اٹھو اور جاگو! اور جہاد کرو کہ اللہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بشارت دی ہے کہ پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوگا۔ ظہور دجال اور استقبال مہدی کی تیاری کیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر پوری دنیا پر مکمل غلبہ اسلام کا ہوگا۔ یہودی اسے جانتے ہیں اور مانتے ہیں اسی لیے ہمیں عیسائیوں سے ٹکرا دیا۔

''قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے۔ پہاڑ، درخت پکار اٹھیں گے یہاں یہودی ہے۔ اے مسلمان اے اللہ کے بندے اسے قتل کر۔ بجز ایک درخت (غرقد) کے۔ اسی درخت کو چالیس ہزار یہودیوں نے اگایا ہے۔'' (مسلم)

''شمار کرو چھ چیزیں۔ (۱) میری موت۔ (۲) بیت المقدس کی فتح۔ (۳) وبا۔ (۴) کثرت مال۔ (۵) فتنہ جو ہر گھر میں داخل ہوگا۔ (۶) صلح تمہارے اور رومیوں کے درمیان جسے دھوکہ سے توڑیں گے اسی جھنڈوں کے تحت ہر جھنڈے کے تحت 12 ہزار۔'' (بخاری)

''دنیا ختم نہیں ہوگی تاوقتیکہ عرب پر (میرے گھر سے) ایک فرد اٹھ کر حکمرانی کرے گا جس کا نام محمد ہوگا (ترمذی، ابوداؤد) اگر ایک دن بھی دنیا کی زندگی میں باقی رہ جائے، مجھ سے میرے اہل بیت سے اٹھے گا جس کا نام محمد اور والد کا نام عبداللہ ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے ایسے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھر دی گئی ہو۔''

''خراسان، افغانستان سے کالی جھنڈیوں والے نکل کر بیت المقدس پر جھنڈا لہرائیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں روک نہ سکے گی۔'' (ترمذی)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان احادیث میں بیان کی گئی پیش گوئیوں کی اہمیت سمجھنے اور اپنے آپ کو معرکہ عظیم کے لیے تیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عالمِ اسلام پر امریکی یلغار کیوں؟

یہ التجیرہ ہے۔ بغداد کے قریب ایک مضافاتی علاقہ جہاں کے ایک بڑے گراؤنڈ میں گاڑیوں کا قبرستان بنایا گیا ہے۔ ہم نے اس سے قبل سعودیہ میں جدہ کے قریب اس طرح کے قبرستان کا تذکرہ سنا تھا جہاں سعودی امیرزادوں کے ہاتھوں کھیل کھیل میں تباہ ہونے والی نئی نویلی گاڑیاں ناکارہ ہونے کے بعد لا ڈالی جاتی ہیں۔ ان میں اکثریت دنیا بھر کی مشہور موٹر ساز کمپنیوں کی نئی نکوری زیرو میٹر ماڈل گاڑیوں کی ہوتی ہے جنہیں شیر شاہ کے مستریوں کے حوالے کیا جائے تو وہ انہیں چند دنوں میں اپنی اس حالت میں واپس لے آئیں کہ ہمارے ہاں بکاؤ جنس والے سیاست دان بخوشی اپنا ضمیر ان کے عوض گروی رکھنے پر تیار ہو جائیں۔ سعودی رئیس زادے ان کی رفتار، کارکردگی اور اٹھان کی جانچ کے دوران اگر انہیں داغی کر بیٹھیں تو داغ مٹانے کی بجائے ان سے جان چھڑانے کو ترجیح دیتے ہیں اور یوں اس قبرستان میں ایک ''آہنی مردے'' کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس قدر اسراف اور دولت کا اتنا بے جا و بے دردی ضیاع بجائے خود ایک المیہ ہے۔

لیکن التجیرہ کے میدان میں..... جو پانچ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے ..... جمع کی جانے والی گاڑیاں سعودی رؤسا کی طرح اسراف و تنعم اور عیش کوشی و آزادی کی اشک آور شہادت نہیں، عراقی رضاکاروں کی بے مثال جدوجہد کا لافانی استعارہ ہیں۔ یہ وہ گاڑیاں ہیں جنہیں اتحادی افواج کے خلاف حملوں میں استعمال کیا گیا۔ اتحادی افواج موقع سے حادثے کے اثرات مٹانے کے لیے فی الفور انہیں اٹھا کر شہر کے باہر ڈمپ کر دیتی ہیں۔ جدہ کے ''موٹر قبرستان'' کی بہ نسبت اس قبرستان کی بے گور و کفن آہنی لاشوں میں اضافے کی رفتار کافی تیز ہے۔ یہ دونوں قبرستان دو الگ الگ کہانیاں سناتے ہیں۔ مستقبل کا مورخ جب آج کے دور کی تاریخ لکھے گا تو اس کے لیے ان عبرتناک داستانوں سے صرف نظر کرنا ممکن نہ ہوگا۔ یہ دونوں قبرستان آج کے تحقیق کاروں کے لیے بھی تحقیق کا بہترین موضوع اور زورِ قلم دکھانے کا بہترین مصرف ہیں لیکن

ہمارے ہاں ایسے اہلِ قلم عنقا ہیں جو قلم کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے اپنی نگارشات کو تحقیق و تعمیر فکر سے آراستہ کریں البتہ اس کلیے میں چند مستثنیات بھی ہیں۔ مثلاً: حال ہی میں ایک کتاب سامنے آئی ہے: ''ہوئے تم دوست جس کے'' اس میں ادب، تاریخ اور تحقیق تینوں کو اتنی خوبصورتی سے یکجا کیا گیا ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ سقوطِ ہسپانیہ سے دریافت امریکا تک ہماری تاریخ کے خونچکاں صفحات ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس کتاب میں وہ اوجھل حقائق منظرِ عام پر لائے گئے ہیں جن سے واقفیت ہمارے عوام کا اندازِ فکر، ہمارے دانش وروں کا زاویۂ نظر اور ہمارے حکمرانوں کا رُخِ قبلہ درست کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

- یہ کتاب پاکستان کے بڑے بک اسٹالوں پر دستیاب ہے۔ ناشر کا فون نمبر 042-6304761، 0321-9400292 اور مصنف کا ای میل ایڈریس: h.haq@att.net ہے۔ قارئین کتاب پر اپنی آرا اور تبصرے مصنف کو براہِ راست بھجوا سکتے ہیں۔ کاش! کوئی نیلوفر بختیار صاحبہ کو بھی کتاب کا ایک نسخہ بھجوادے۔ شاید ان کو احساس ہو کہ ان کو گلے مل کر مبارک باد دینے والے تو غیر سفید فام مخلوق سے ہاتھ ملانے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

بات وہ منفرد قسم کے قبرستانوں کی ہو رہی تھی! ہر نیا طلوع ہونے والا سورج جب ان پر اپنی کرنیں بکھیرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ شہرِ خموشاں کے باسیوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس اضافے کی رفتار تیز ہوتی جارہی ہے اور رواں موسمِ بہار میں زبردست امکان ہے کہ اس طرح کا ایک تیسرا قبرستان ہمارے پڑوس میں وجود میں آئے گا اور پہلے دو کے ساتھ مل کر ''قبری مثلث'' کو مکمل کردے گا۔ صدر بش کو اس کا بخوبی ادراک ہے۔ آنجناب نے فرمایا ہے: ''جانتا ہوں امریکی عوام عراق جنگ سے اُکتا چکے ہیں'' دراصل وہ یہ کہنا چاہتے تھے: ''جانتا ہوں امریکی افواج جنگ سے گھبرا چکی ہیں۔'' اسی خاطر انہوں نے عراق میں مزید فوجی بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان جیسا باخبر شخص اور امریکا جیسی دور اندیش قوم کیوں خود کو جنگ کی بھٹی میں جھونک رہی ہے؟ اس سعیِ لاحاصل کے پیچھے کون سا نادیدہ ہاتھ یا نافہمیدہ جذبہ کارفرما ہے؟ بات یہ ہے کہ امریکا کی بنیاد جس ہوسِ ملک گیری پر رکھی گئی تھی وہ فطری حرص و طمع، ان کے مزاج

میں رچ بس چکی ہے اور کمزور اقوام کا منہ لگا خون ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ بہت سے قارئین کو اس تجزیے میں غیر تحقیقی تبصرے یا شدت پسندی کی بُو آئے گی لیکن ان سے درخواست ہے کہ وہ جلدی نہ فرمائیں۔ امریکا کی دریافت اور پرداخت کا قصہ سننے تک صبر فرمالیں۔

12 اکتوبر 1492ء کو کولمبس اپنے قیافے کے مطابق ایشیا کے مشرقی ساحل پر لنگر انداز ہوا جبکہ حقیقتاً وہ شمالی امریکا کے جزائر بہاماس (غرب الہند) میں آنکلا تھا۔ اس کی لاعلمی اور خوش بختی بیک وقت رنگ لائی اور وہ شمالی امریکا کی وسعتوں کو ملکہ ازابیلا کی ہسپانوی شاہی حکومت سے منسوب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مشرقی ایشیا پہنچنے کے لیے مغرب کی سمت میں سفر نے اس کے قیافے کے عکس اسے قبلائی خان کے چین یا سی پانگو (جاپان) کی بجائے شمالی امریکا میں جزائر غرب الہند میں (تیجان پاکستانی ٹیم کے کوچ کی پُراسرار موت، اس کے ورثا کی معنی خیز خاموشی کے بعد پاک ٹیم کے مذہب سے لگاؤ کو ہدفِ تنقید بنانے جانے کی خبریں گرم ہیں) پہنچا دیا تھا۔ کیوبا، بہاماس اور جمیکا کو وہ قبلائی خان کی سلطنت کے علاقے سمجھتا رہا اور اپنے عمر کے آخری حصے تک وہ اسی مغالطے میں مبتلا رہا۔ کولمبس جزائر غرب الہند میں ''گوانا ہانی'' جزیرے پر لنگر انداز ہوا جو کہ آج کل ڈومینکن ری پبلک اور ہیٹی پر مشتمل ہے۔ گوانا ہانی میں ساحل پر قدم رکھتے ہی کولمبس کو جو چیز سب سے پہلے نظر آئی وہ وہاں کے مقامی باشندے آراواک قبائل کے امریکن انڈین تھے جو ریڈ انڈین کہلائے گئے۔ گوانا ہانی اور اس کے قرب و جوار کے جزائر اب سان سالویڈور کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اراواک قبائل کے ان ریڈ انڈینز کا رویہ دوستانہ اور طور طریقے شائستہ تھے۔ کولمبس نے اس امر کے باوجود کہ ان جزیروں میں پہلے سے ہی ہزاروں لوگ آباد ہیں اور وہ اپنے قاعدے قانون، رسم و رواج، مذہب اور ثقافت کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، ان جزیروں پر اسپین کی شاہی حکومت کی ملکیت کا دعویٰ کردیا۔ اس علاقے کو ہسپانوی نام ''سان سالویڈور'' سے منسوب کیا اور مقامی آبادی کو اپنے قیافے کے مطابق ''انڈیز'' کہا گیا۔ مقامی لوگوں سے اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں کولمبس نے اپنے روزنامچے میں لکھا:

"وہ ہمارے لیے رنگ برنگ پرندے، روئی کے گچھے، کمانیں اور دوسری اشیا لے کر آئے اور ہم سے بدلے میں بیلوں کی گردن میں ڈالنے والی گھنٹیاں اور شیشے کی لڑیاں لے گئے۔ یہ لوگ اشیا کے بدلے اشیا پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ ان کے جسم مضبوط اور صحت مند ہیں۔ یہ لوگ سادہ، جفاکش اور بے ضرر نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کو نہ تو ہتھیاروں کے استعمال کا علم ہے نہ ہی یہ کسی ہتھیار سے مسلح ہوتے ہیں۔ جب میں نے اپنی تلوار ان لوگوں کو دکھائی تو بیشتر نے اپنی انگلیوں اور ہاتھوں کو تیز دھار تلوار سے زخمی کر لیا۔ یہاں پر ابھی تک لوہے کا استعمال شروع نہیں ہوا ہے۔ ان کے تیر کمان لکڑی، گنا اور بانس سے بنے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ لوگ بہترین خدمت گار اور اچھے غلام ثابت ہوں گے۔ ہم صرف پچاس لوگوں کی مدد سے تمام مقامی آبادی پر غلبہ حاصل کر کے انہیں بآسانی غلام بنا سکتے ہیں۔"

اس مختصر سی تحریر نے آنے والی پانچ صدیوں کو جتنا متاثر کیا اور انسانی لہو کا جس قدر خراج لیا، تاریخ عالم میں شاید ہی کوئی اور تحریر اتنے بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کی بنا بنی ہو۔ بہترین خدمت گاروں اور اچھے غلاموں کے حصول کی سفلی خواہش نے زور باندھا اور جدید اسلحہ کی مدد سے سادہ لوح کمزور انسانوں پر غلبہ حاصل کر لینے کے یقین نے کولمبس اور اس کے سرپرستوں کو ملکوں ملکوں پھرنے اور لوٹ کے مال سے ہوس زر کو تسکین دینے پر آمادہ کیا۔ یہ انسانیت سوز روش آج تک جاری ہے اور امرِ الٰہی نازل ہونے تک جاری رہے گی۔ مظلومان عالم سراپا انتظار ہیں کہ یہ امر کب اور کس کے ہاتھوں پورا ہوگا؟؟؟

15 مارچ 1493ء کو کولمبس جب واپس اسپین پہنچا تو کایا پلٹ چکی تھی۔ وہ سرخ رو اور کامران لوٹا تھا۔ جس اُمید اور وعدے پر ملکہ ازابیلا نے کولمبس کی سرپرستی کی اور اس کی بحری مہم میں سرمایہ کاری کی تھی وہ پورا ہوا۔ واپسی پر کولمبس کے رختِ سفر میں سونے کی ڈلیاں، چاندی کے ڈلے، سفوف کی شکل میں کچھ سونا، مکئی، تمباکو اور شمالی امریکا میں پائے جانے والے پرندوں کے علاوہ دس بدنصیب ریڈ انڈین بھی شامل تھے جنہیں ملکہ کو دکھانے کی غرض سے وہ اغوا کر لایا تھا۔ بحری مہم سے واپسی پر کولمبس کا رائل ایڈمرل کے طور پر استقبال ہوا اور اسے عزت و تکریم

کے ساتھ بارسلونا کے شاہی محل میں ملکہ ازابیلا اور بادشاہ فرڈی ننینڈ کے مہمان کے طور پر ٹھہرایا گیا۔ وہی کولمبس جو معاہدے کی بات چیت کے دوران تمام وقت ملکہ ازابیلا کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا تھا اب ملکہ اور بادشاہ کے درمیان بیٹھا روسٹ کی ہوئی رانیں اُڑا رہا تھا۔ طرح طرح کی شرابیں اس کے سامنے رکھی تھیں اور خوبرو خادمائیں اس کی جنبش ابرو کی منتظر تھیں۔ کولمبس دریافت کردہ نئی دنیا کے بارے میں اپنے تجربات، معلومات، سفر کی صعوبتوں اور آئندہ منصوبوں کے بیان سے تاں باندھے ہوئے تھا۔ اس موقع پر کولمبس نے ایک تحریری رپورٹ ملکہ ازابیلا کو پیش کی جسے وائسرائے کی طرف سے شاہی حکومت کی خدمت میں پیش کردہ سرکاری دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس رپورٹ میں کولمبس نے لکھا: "ریڈ انڈینز اپنے دفاع کے قابل نہیں ہیں۔ ان کے رسم و رواج میں ذاتی ملکیت کا تصور نا پید ہے۔ یہ لوگ سادہ اور بے ضرر ہیں۔ ان کو دیکھے بغیر ان کی سادگی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ ان سے جب بھی کچھ طلب کیا جائے تو وہ دینے سے انکار نہیں کر سکتے۔ زمین اور وسائل کسی کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ مشترکہ استعمال اور اجتماعی ملکیت کا قانون رائج ہے جبکہ استعمال کرنے والے بدلتے رہتے ہیں۔ موت اور نقل مکانی کی صورت میں نئے استعمال کرنے والے آجاتے ہیں لیکن متعلقہ لواحقین کسی اثاثے پر خاندانی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ اگر ملکہ اور بادشاہ میری مدد کریں تو میں ان کے لیے اس نئی دریافت کردہ دنیا سے اتنا سونا لا سکتا ہوں کہ جو ضرورت سے سوا ہو اور اتنے غلام لا دوں گا کہ جتنے کا حکم دیا جائے گا۔"

امریکا کے تہذیب یافتہ بانیوں اور انسانیت کی کامیابی کے لیے عیسائیت پھیلانے والوں کی نیتوں کا یہ حال تھا۔ جس کی نیت ظلم، انسانی حقوق و حرمت کی پامالی اور حرص و ہوس سے آلودہ تھی، آج وہی شخصیت امریکی ہیرو ہے۔ جو شخص سادہ، بے ضرر اور ناقابل دفاع لوگوں کو غلام بنانے کے منصوبے باندھتا رہتا تھا اور ان کی زمینیں ہتھیانے اور آزادی سلب کر لینے کی چالیں سوچتا رہتا تھا، آج امریکا بھر میں اس کی یادگاری مجسمے ایستادہ اور ستائشی کتبے آویزاں ہیں۔ امریکا کے طول و عرض میں کولمبس کی یاد اور اظہارِ تشکر میں اس کے 105 مجسمے، 140 ستائشی کتبے

اور 20 تعویذی سلیبیں آویزاں ہیں۔ کولمبس کے یادگاری مجسموں کا یہ سلسلہ اسپین سے شروع ہوا اور اٹلی، جزائر غرب الہند، لاطینی امریکا، یورپ اور شمالی امریکا تک پھیل گیا۔ اب ان ممالک میں کولمبس کے قریب پانچ صد مجسمے گڑے ہیں اور دو ہزار سے زیادہ دوسری یادگاریں کولمبس کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس سے امریکی قوم کی حریص سرشت اور ہوس ناک فطرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امریکا میں کولمبس کے مجسموں کے علاوہ ملکہ ازابیلا کے مجسمے بھی ایستادہ ہیں۔ لاکھوں مسلمانوں اور ریڈ انڈینز کا خون ناحق ازابیلا کی گردن پر ہونے کے باوجود اسے امریکی دریافت کا اسپانسر ہونے کی وجہ سے امریکی تاریخ میں امتیاز حاصل ہے۔ ملکہ کا امتیاز مالی معاون ہونے کی وجہ سے خصوصی سمجھا جاتا ہے۔ غالباً اسی مالیاتی ناطے سے ملکہ ازابیلا کا ایک عظیم الشان مجسمہ واشنگٹن ڈی سی میں امریکی مالیات کے سب سے بڑے ادارے ''فیڈرل ریزرو بورڈ'' کے پہلو میں گڑا ہے۔ ع

پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا

کولمبس کی دلائی گئی ترغیب، تحریص اور پیش کش سے ملکہ اور بادشاہ انکار کر ہی نہیں سکتے تھے۔ سو کولمبس کو دریافت کردہ نئی دنیا کے دوسرے سفر پر جانے کے لیے ضروری وسائل اور پروانہ جاری کر دیا گیا۔ 25 ستمبر 1493ء کو جب کولمبس شمالی امریکا کی طرف اپنے دوسرے سفر پر روانہ ہوا تو یہ اس کی زندگی کا یادگار لمحہ اور نکتۂ عروج تھا۔ بحیثیت رائل ایڈمرل اس کی کمان میں 17 جہاز دے دیے گئے جن میں بارہ سو افراد بھرے ہوئے تھے۔ اس سفر کا واضح مقصد تسخیر، آبادکاری، غلبہ اور نئی دنیا میں ہسپانوی کالونی کا آغاز کرنا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے بارہ سو افراد میں سے بیشتر جہاں دیدہ جنگجو، ماہر تلوار باز اور تجربہ کار تیر انداز تھے۔ جنگجوؤں کے علاوہ جہازوں میں گھوڑے، مال مویشی، بکریاں، کتے، سور، مرغیاں، اناج، بیج، عمارتی سامان اور اسلحہ بھرا ہوا تھا۔

چار ہفتوں کے سفر کے بعد کولمبس جب دوبارہ جزائر غرب الہند میں اسی جگہ پہنچا جہاں وہ پہلے آچکا تھا تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اب وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ مقامی آبادی کولمبس

کے آدمیوں کے ہاتھوں جنہیں وہ آبادکاری کی غرض سے پیچھے چھوڑ گیا تھا، ماری جاچکی تھی یا نقل مکانی کر چکی تھی۔ کولمبس نے اسی جگہ کے قریب نسبتاً محفوظ جگہ پر پہلی ہسپانوی کالونی کی داغ بیل ڈالی اور اس شہر کا نام ''ازابیلا'' رکھا گیا۔ آبادکاروں کو ازابیلا میں کالونی قائم کرنے پر لگا کر وہ خود سونے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا لیکن اس میں اسے ناکامی ہوئی اور سونے کی وہ کثیر مقدار اس کے ہاتھ نہ لگ سکی جس کا وعدہ وہ اسپین کے حکمرانوں سے کر چکا تھا۔ سونے کے حصول میں ناکامی کے خسارے کو پورا کرنے کے لیے اس نے جبری مشقت کے لیے مقامی لوگوں کو غلام بنا کر اسپین لے جانے کا فیصلہ کیا۔ کولمبس کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ مضبوط کاٹھ کے صحت مند ریڈ انڈینز اسپین میں اچھی قیمت پر بکیں گے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوں گے۔ اس طرح سونے کی بجائے متبادل ذریعہ آمدنی اسے ملکہ اور بادشاہ کے عتاب سے محفوظ رکھے گا۔

کولمبس کے اس فیصلے نے ریڈ انڈینز کی قسمت پر موت، مصائب، لاچارگی، تباہی و بربادی اور نسل کشی کی ایک ایسی سرخ لکیر کھینچ دی جو پانچ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اپنی ہولناکی کے ساتھ قائم ہے۔ امریکا کے قیام کی خشتِ اول ہی ناانصافی، جبر، ظلم اور ناحق انسانی خون پر رکھی گئی۔ انسانی تذلیل اور انسانی حقوق کی پامالی کے جو مناظر امریکی سرزمین میں رونما ہوئے، چشم فلک نے ایسے انسانی المیے کم ہی دیکھے ہوں گے۔ ملکہ ازابیلا کا عیسائیت پھیلانے کا جنون، اس کے شوہر فرڈی نینڈ کی ہوس ملک گیری اور کولمبس کا طمع، پسماندہ، بے ضرر اور دنیا سے قطع تعلق ریڈ انڈینز پر ایک ایسی تباہی لے آیا کہ انسانی تاریخ میں ایسی خون آشامی، ایسی بربادی اور ایسی نسل کشی کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ مشہور مورخ ہاورڈ زین لکھتے ہیں:

''بہاماس کے ساحل پر جب کولمبس کا جہاز لنگر انداز ہوا تو اس ساحلی علاقے میں تیانو اور آراواک قبیلے آباد تھے، جو ریڈ انڈینز کے بڑے قبیلوں میں شمار ہوتے تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان قبائل کے افراد ناپید ہو گئے۔ وہ پابہ زنجیر ہوئے اور غلام بنا کر اسپین کی طرف روانہ کر دیے گئے یا قتل ہو گئے۔ ہسپانوی آبادکاروں کے ہاتھوں بہاماس اور ہیٹی کے جزائر میں ایک لاکھ سے زیادہ آراواک انڈینز تہ تیغ کیے گئے۔ کولمبس کے لشکری ایک کے بعد ایک جزیرے میں تلواریں

لہراتے ہوئے جاتے، عورتوں کی آبروریزی کی، بچوں اور بوڑھوں کو قتل اور جوان مردوں کو زنجیریں پہنا کر کھینچتے ہوئے ساتھ لے جاتے۔ جو مزاحمت کرتا قتل ہو جاتا۔ چونکہ ہسپانوی حملہ آور لٹیروں کی قتل و غارت کی صلاحیت اور ریڈ انڈینز کی مدافعت کا آپس میں کوئی جوڑ، کوئی تناسب، کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔"

1494ء سے 1508ء تک کے درمیانی عرصے میں صرف جزائر غرب الہند میں 40 لاکھ سے زیادہ ریڈ انڈینز قتل کیے گئے۔ کولمبس کے ہمراہ جانے والے عیسائی مبلغ لاس کیسس ..... جو اس کا روزنامچہ نگار بھی تھا..... نے ایسے کئی دہشت ناک واقعات کا ذکر کیا ہے جن سے اس ظلم و جور کا اندازہ ہوتا ہے جو ریڈ انڈینز پر روا رکھا گیا۔ لاس کیسس لکھتا ہے: "ہسپانوی آبادکاروں نے ریڈ انڈینز کی اجتماعی پھانسیوں کا طریق کار جاری کیا جبکہ بچوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کو کتوں کے سامنے بطور خوراک پھینک دیا جاتا۔ نوجوان عورتوں کی اکثریت اس وقت تک جنسی تشدد کا شکار ہوتی رہتی جب تک مر نہ جاتی۔ ملکیت سے بے نیاز، ان لوگوں کی معمولی قدر و قیمت کی اشیا تک لوٹ لی جاتیں۔ گھروں کو آگ لگا دی جاتی اور ریوڑ کی صورت بھاگتے ہوئے غیر مسلح اور ناقابلِ دفاع لوگوں کا تیز رفتار گھوڑوں سے تعاقب کیا جاتا اور انہیں تیر اندازی کی مشق کے لیے استعمال کیا جاتا۔ چند ہی گھنٹوں میں شہر کا شہر زندگی سے عاری ہو جاتا اور آبادی نابود ہو جاتی۔ یوں ہسپانوی آبادکار، ریڈ انڈینز کی وسیع زمینوں پر غلبہ حاصل کرتے چلے گئے۔"

یہ امریکا کے قیام، پھیلاؤ اور فروغ کی ابتدا تھی۔ یورپی آبادکاروں اور بعد میں امریکی حکومت کے ہاتھوں جو ظلم بے ضرر، ریڈ انڈینز پر ہوا، انسانی تاریخ اس پر ہمیشہ شرمسار رہے گی۔ کولمبس نے جو سلوک جزائر غرب الہند میں آراواک اور تیانو قبائل سے روا رکھا۔ ایک دوسرے ہسپانوی حملہ آور کورٹیز نے وہی سلوک میکسیکو میں آزٹک تہذیب سے، پزارو نامی ایک اور ہسپانوی استعمار پسند نے پیرو میں انکس قبائل سے اور برطانوی آبادکاروں نے ورجینیا اور میسا چوسٹس میں ریڈ انڈینز کے دوسرے بڑے قبیلے پوٹاہانز سے کیا۔ نتیجتاً شمالی اور جنوبی امریکا میں کروڑوں بے گناہ مقامی لوگ یورپی اقوام کی طمع، ہوس، سرمایہ داری، ہوسِ ملکیت، قبضہ زمین،

سونے کے حصول اور ہوسِ ملک گیری کا شکار ہوئے۔ امریکی تاریخ کا صفحہ دہشت گردی، انسانی لہو اور ہوس و حیوانیت سے آلودہ ہے۔

اس تاریخی صداقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ وجودِ امریکا کی اساس مذہبی انتہا پسند فرڈی ننڈ کی جنونیت، غیر متوازن شخصیت کی مالکہ ملکہ ازابیلا کی خون آشامی، کولمبس کے افعال ناپسندیدہ، ریڈ انڈینز کے خونِ ناحق اور ان سے بزورِ طاقت چھینی گئی زمینوں پر رکھی گئی ہے۔ جمہوریت، برابری، آزادی، انصاف اور انسانی حقوق کی جو اقدار آج امریکا کا امتیاز قرار پائیں، ریڈ انڈینز اور کالے امریکیوں کو 1965ء تک ان سے محروم رکھا گیا ہے۔ ملکوں ملکوں جمہوریت، انسانی حقوق اور آزادی کا چیمپئن بننے والے امریکا میں انسانی حقوق اور آزادی روئے زمین پر سب سے زیادہ پامال ہوئی ہے۔ اقوامِ عالم کی تاریخ میں انسانی حقوق کی بدترین خلاف ورزی یہیں ہوئی اور انسانی آزادی پر سب سے بڑا ڈاکہ بھی یہیں پڑا۔ امریکی زمین کی زرخیزی میں سوملین ریڈ انڈینز کے خونِ ناحق کے ساتھ ساتھ امریکی معیشت کی آبیاری میں پندرہ ملین افریقی غلاموں کی بددعائیں بھی شامل ہیں۔ کیا عجب کہ شاید اسی وجہ سے نہ کسی کو امریکی جمہوریت راس آتی ہے کہ یہ قتل آمادہ اور قہر زدہ ہے نہ امریکی امداد و اسباب کہ یہ نحوست زدہ اور بددعا یافتہ ہیں۔

ملکہ ازابیلا اور کولمبس کے اندر چھپا حریص عفریت، غلبے اور منفعت کی تلاش میں ملکوں ملکوں لپکتا ہوا، افغانستان کے چٹیل پہاڑوں اور عراق کے صحراؤں تک آن پہنچا ہے اور اُدھر کے مکین بھی اگر لکڑی کے تیر اور بانس کی کمانوں سے مزاحم نہیں تو اس سے کچھ زیادہ کے بھی متحمل نہیں۔ کولمبس کا لاطینی امریکا میں غلبہ ایک ایسے نظریاتی غلبے کی بنیاد ثابت ہوا جو پورا ہونے میں ہی نہیں آتا۔ ملکہ ازابیلا نے امریکا میں زبردستی کا جو بیج بویا تھا اس کی بنیاد مذہبی تنگ نظری، پاپائیت، جبر اور دھاندلی پر رکھی ہوئی تھی۔ اس نظریے کی عمر طویل تر، اس کا اطلاق اکثر و بیشتر اور اس کا دائرہ کار وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں ریڈ انڈینز اس کا سب سے پہلا شکار بنے اور انسانی تاریخ کی بدترین نسل کشی کا شکار ہوئے۔ ان کی وجہ قتل ان کا "غیر مہذب" ہونا قرار دی گئی۔ اٹھارہویں صدی میں

براعظم افریقہ کے لوگ اس کی زد میں آئے۔ انہیں غلام بنانے کی وجہ ان کی "جانوریت" قرار دی گئی۔ انیسویں صدی سے یہ عفریت چہار سمت اور بے مہار ہوا اور ارجنٹائن، چلی، چین، کوریا، پانامہ، نکاراگوا، فلپائن، کیوبا اور میکسیکو اس کے خونی جبڑوں میں جکڑے گئے۔ بیسویں صدی میں یوگوسلاویہ، ہنڈورس، لاؤس، کمبوڈیا، ویت نام، لبنان، گرینیڈا، لیبیا، ایران، عراق، کوریا، صومالیہ، ہیٹی، سوڈان اور وسطی امریکا کے علاقے اس کا شکار بنے۔ اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی افغانستان اور عراق اس کی خونی گرفت میں ہیں۔ قرائن کہتے ہیں کہ اس صدی میں مسلم اُمہ اس کا سب سے بڑا شکار ہوگی اور شواہد کی رُو سے دہشت گردی کی آخری جنگ، آخری معرکہ پاکستان میں ہوگا۔ سو، اے اہلِ وطن! چمن کی خیر مناؤ کہ جس کے سبب بیمار ہوئے اس سے دوا لینے کی سادگی کتنے دنوں تک عاشقی کا بھرم رکھے گی؟؟؟